بفیضانِ نظر

میر شجاع الدین حسین قادری

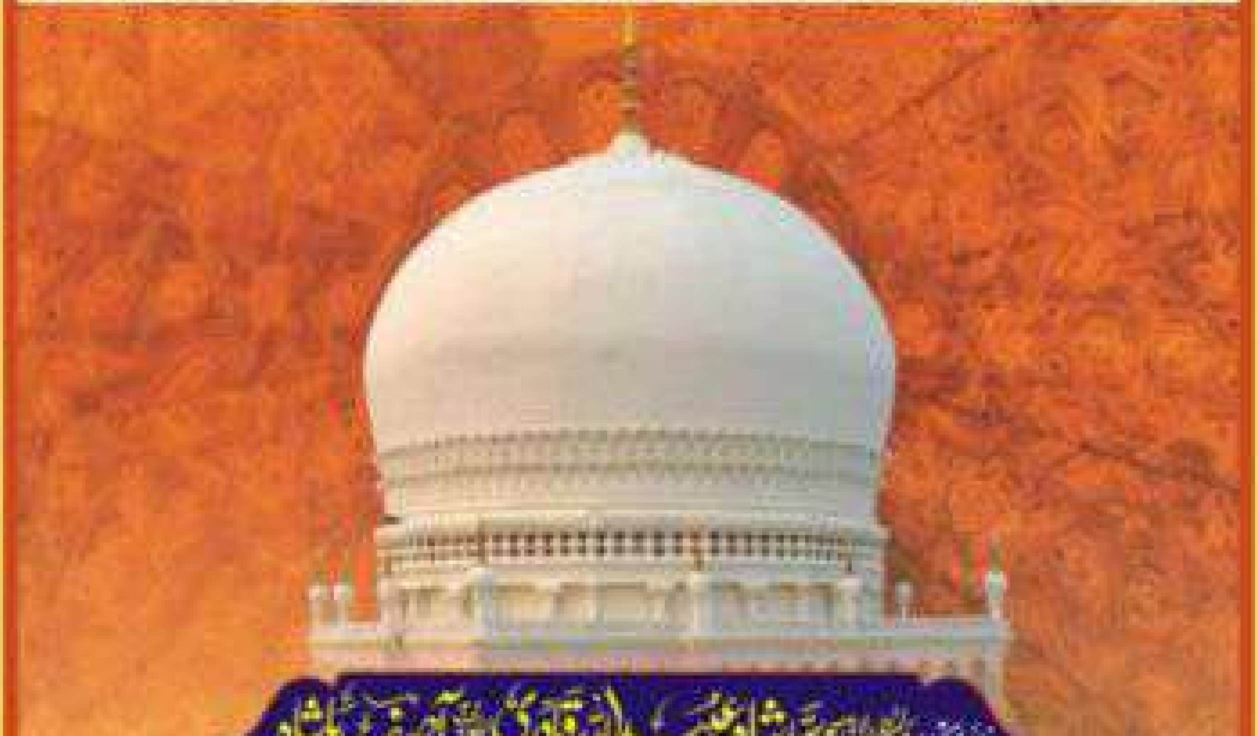

سید شاہ عبید اللہ قادری

ماہنامہ صدائے شجاعیہ حیدرآباد

علمی، ادبی وسماجی ترجمان

چیف ایڈیٹر: سید محمد ابراہیم حسین قادری

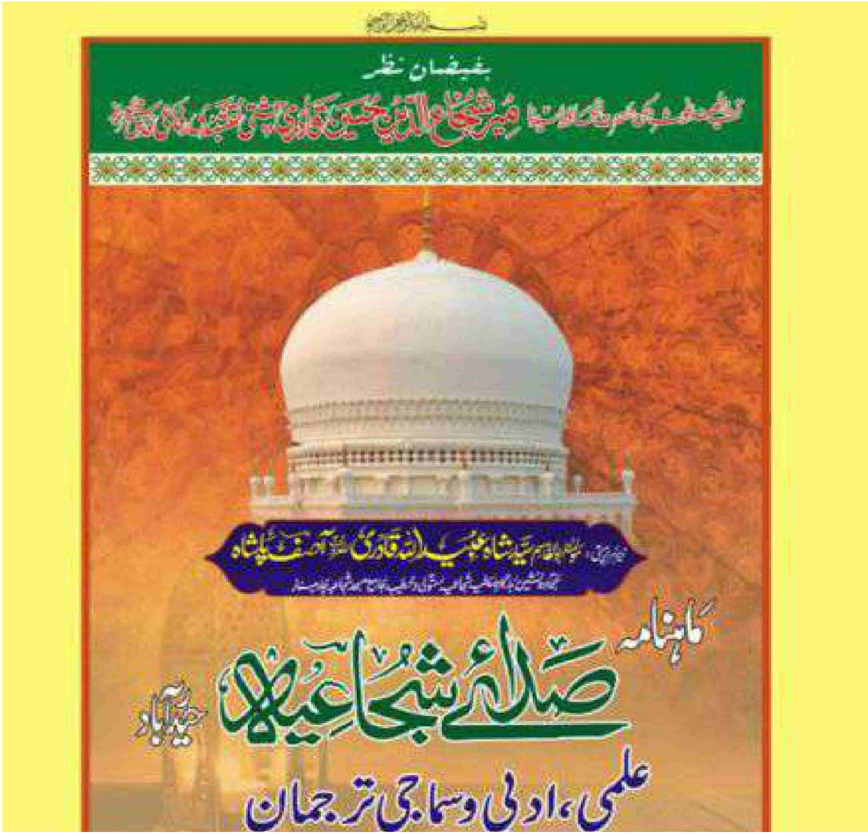

VOLUME No. 4 ISSUE No. 63 PAGES 64 PRICE Rs. 5/-

AUGUST 2025

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

PRESS LINE: SADA E SHUJAIYA URDU MONTHLY

Edited, Printed, Published & Owned by : SM IBRAHIM, Print at: Aijaz Printing Press S.No. 22-8-81, Chatta Bazar, Hyderabad. Published from:Office Shujiya Times D.No.22-5-918/15/A, Charminar Hyderabad-2. **Managing Editor: Mumtaz Ahmed.**

بسم الله الرحمن الرحيم

بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله

فہرست مضامین

نمبر شمار			صفحہ نمبر
۱	حمد		4
۲	نعت شریف		5
۳	اداریہ	مولانا سید ابراھیم پاشاہ قادری صاحب	6
۴	اسلامی تقویم کا تحقیقی جائزہ	حافظ محمد عبدالعلیم صاحب	7
۵	حضرت سیدنا بلال حبشیؓ	مولانا قاضی ناصرالدین صدیقی صاحب	15
۶	ماہ صفر اور کچھ جاہلانہ رسم ورواج	ڈاکٹر علامہ طاہرالقادری صاحب	21
۷	حضرت خواجہ حسن بصریؒ	مولانا شاکر صاحب	28
۸	اسلام تعلیم اور مسلمانوں کی صورت حال	مولانا حافظ شرف الدین صاحب نظامی	35
۹	اورنگ زیب عالمگیرؒ۔سچائی اور پروپیگنڈہ	ماخوذ	39
۱۰	مالیگاؤں بم دھماکہ۔مظلوموں کے ساتھ ناانصافی	ماخوذ	53

''صدائے شجاعیہ'' ملنے کا پتہ

خانقاہ شجاعیہ عقب جامع مسجد شجاعیہ چار مینار حیدرآباد۔تلنگانہ

حمد باری تعالی

پہاڑ غم کے ہزاروں گرا رہا ہے جہاں
ستا رہا ہے بہت ظلم ڈھا رہے جہاں
مگر ہے ورد زباں لا الہ الا اللہ
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
یہ دشت وشت بلا ہے ہمیں تو چلنا ہے
لگیں گی ٹھوکریں لیکن ہمیں سنبھلنا ہے
سروں پہ اپنے کفن باندھ کر نکلنا ہے
ہمارے جذبہ جواں لا الہ الا اللہ
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ (رعنا شیریںؔ)

نعت شریف

زندگی کیا ہے محمد ﷺ کی محبت کے سوا
بندگی کیا ہے محمد ﷺ کی اطاعت کے سوا

مجھ بے عمل کو اہل عمل میں نہ ڈھونڈے
رہتا ہوں ان کے دامن فضل وکرم کے ساتھ

یہ چاند تارے زمین وفلک یہ سیارے
یہ کائنات میں بکھرے حسین نظارے
خدا کے ذکر میں مصروف روز شب سارے

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ہمارا نظریہ دینِ اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت، وطنیت، نسل پرستی یا زبان نہیں ہے، بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے، اور اللہ تعالی نے قرآن مجید کو ہمارے ایک مکمل جامع کتاب کی شکل میں نازل فرمائی ہے جس کے تعلق سے ارشاد فرمایا کہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لوں گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور اہل بیت اطہارؑ کی عترت۔ آج ہم ان دو اہم چیزوں سے کوسوں سے دور ہیں جس کے باعث ذلت ورسوائی، ظلم وستم ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ آج بھی اگر ہم ان دو چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیں گے یقیناً ہمارے حالات یکسر بدل جائیں گے۔

لھذا ہمیں قرآن مجید کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اشد ترین ضرورت ہے ساتھ ساتھ اہل بیت اطہار کے عترت کو اپنانے کی بھی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسی زندگی کی تیاری کرنا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں موت کے اچانک آنے کے بارے میں کہا گیا کہ اچانک موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرلو۔ اللہ تعالی ہم سب کو ابدی زندگی کی تیاری کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

فقط:۔ سید ابراہیم پاشاہ قادری صاحب

اسلامی تقویم کا تحقیقی جائزہ' تاریخ کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

مولانا حافظ سید عبد العلیم صاحب

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ جب زمین پر انسان کی آبادی وسیع ہونے لگی تو تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت ہبوط آدم علیہ السلام سے تاریخ شمار کی جانے لگی، پھر طوفان نوح علیہ السلام سے اس کی ابتدا ہوئی، پھر نار خلیل سے، پھر یوسف علیہ السلام کے مصر میں وزیر بننے سے، پھر موسیٰ علیہ السلام کے خروج مصر سے، پھر حضرت داؤد سے، ان کے فوراً بعد سلیمان علیہ السلام سے پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سن قرار دیتی تھی، مثلاً قوم احمر نے واقعہ تبابعہ کو، قوم غسان نے سد سکندری کو، اہل صنعاء - نے حبشہ کے یمن پر چڑھ آنے کو سن قرار دیا، علامہ عینیؒ مزید لکھتے ہیں کہ جس طرح ہر قوم نے اپنی تاریخ کا مدار قومی واقعات وخصائص پر رکھا، اسی طرح اہل عرب نے بھی تاریخ کے لیے عظیم واقعات کو بنیاد بنایا، چناں چہ سب سے پہلے اہل عرب نے حرب بسوس (یہ وہ مشہور جنگ ہے جو بکر بن وائل اور نبی ذہل کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی) سے تاریخ کی ابتدا کی۔ اس کے بعد جنگ داحس (جو محض گھڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان نصف صدی تک جاری رہی۔ پھر جنگ غبراء سے، پھر جنگ ذی قار سے پھر جنگ فجار سے تاریخ کی ابتدا کی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف میں سے ایک بزرگ کعب کے کسی واقعہ سے سالوں اور تاریخ کا حساب لگاتے رہے، پھر اصحاب الفیل کے واقعہ سے، یہاں تک کہ عام الفیل کی اصطلاح ان کے یہاں رائج ہوئی۔ (عمدۃ القاری للعلامہ بدرالدین عینیؒ) لیکن اتنی بات واضح ہے کہ رومیوں اور یونانیوں کے دور، بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس

طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور عام طور سے یہیں سے تاریخ زمانہ کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ (ہجری) کی ابتداء:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم 27 صفر المظفر کو مکہ سے ہجرت کرکے غار ثور میں مقیم ہوئے، یکم ربیع الاول کو غار ثور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ روانہ ہوئے۔8 ربیع الاول کو قبا پہنچے اور 12 ربیع الاول کو بروز جمعۃ المبارک (مطابق 27 ستمبر 622ء مدینہ منورہ پہنچے چوں کہ ہجری سال کا آغاز ربیع لاول سے ہوتا تھا، اس لیے صحابہ کرامؓ ربیع الاول سے حساب رکھتے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ ایک ایک ماہ اور دو مہینے کے فصل سے تاریخ متعین کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کا پورا زمانہ اسی طرح گزر گیا، پھر فاروق اعظمؓ نے اس مسئلہ کو مستقل طور پر طے کر دیا۔ اس تاریخی حقیقت کا اشارہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب رسول رحمت میں کیا ہے، بہرحال تاریخ اسلامی کا مسئلہ مستقل طور پر سن 17ھ جمادی الاولیٰ بروز بدھ طے پا گیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ابوموسیٰ اشعری عراق وکوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کے پاس خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات او رہدایتیں ملتی ہیں ان میں تاریخ نہیں ہوتی، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس تاریخ کا حکم نامہ ہے؟ جس کی بنا پر بعض دفعہ ان پر عمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس پر غور کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے مجلس شوری منعقد کی اور اکابر صحابہؓ کو جمع کیا، جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے۔ یہ بحث شروع ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علی نے ہجرت کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

اسلامی تاریخ کے لیے ہجرت کی ترجیح کی وجوہات:۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ او رمستحکم مرکز مل گیا۔ مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے کے مواقع مل گئے۔ اہل اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔ اسلامی طرز معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے، اسلام کے اقتصادی ومعاشی

پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہوگئی، تعلیمات اسلام کی نشرواشاعت کے لیے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا، ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔اسلام کی اسی ظاہری اور باطنی شان وشوکت کے پیش نظر ہجرت کی تاریخ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا گیا۔

اسلامی سن کا آغاز محرم الحرام سے کیوں ہوا؟:۔

اس کے بعد مہینے کے بارے میں مشورہ ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رجب المرجب کی رائے دی، کیوں کہ یہ اول شہرالحرام ہے، حضرت طلحہ نے رمضان المبارک کی رائے دی، بعض حضرات نے ربیع الاول کی رائے دی۔حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے محرم الحرام کی رائے دی، اس کو فاروق اعظمؓ نے پسند فرمایا۔تاریخی زمانے بعض حضرت نے تاریخ کو تین زمانوں میں تقسیم کیا: قرون اولیٰ، جو ابتدائے عالم سے سلطنت روما تک ہے۔ قرون وسطیٰ جو سلطنت روما کے آخر زمانہ سے قسطنطنیہ کی فتح تک ہے۔قرون آخر وقسطنطنیہ کی فتح سے تا حال ہے۔

تاریخ کی اقسام:۔تاریخ کی چار قسمیں ہیں:۔تاریخ عام۔وہ ہے جس میں ساری دنیا کے آدمیوں کا حال بیان کیا جائے۔تاریخ خاص۔وہ ہے جس میں کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت کا حال بیان کیا جائے۔تاریخ روایتی۔وہ ہے جس میں راوی کا بیان اس کے مشاہدے کی بنا پر درج کیا گیا ہو۔تاریخ درایتی۔وہ ہے جس کو آثارقدیمہ ومنقولہ او رعقلی تخمینوں کے ذریعہ ترتیب دیا گیا ہو۔

تاریخ کے ماخذ اوراس کے فوائد:۔تاریخ کے ماخذ کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: آثار مضبوط۔ یعنی تمام لکھی ہوئی چیزیں، مثلاً کتابیں، یادداشتیں، دفتروں کا غذات، پرانے فیصلے، دستاویز وغیرہ۔آثار منقولہ،یعنی زبان زد عام باتیں مثلاً کہانیاں، نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔آثارقدیمہ یعنی پرانے زمانے کی نشانیاں، مثلاً شہروں کے خرابے قلعے، مکانات، کتبے، تصویریں وغیرہ۔تاریخ کے فوائد پرنظرڈالتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ تاریخ ایک ایسی چیز ہےاور ایک ایسافن ہے جو کثیرالفوائداور بہترین نتائج پر مشتمل ہےاورتاریخ کا علم ہم کو سابق امتوں کے اخلاق، حالات، انبیاء کی پاک سیرتوں اور سلاطین کی حکومتوں اوران کی سیاستوں سے روشناس

کرتا ہے، تاکہ جو شخص دینی و دنیوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہے تو کر سکے۔ (مقدمہ ابن خلدون) تاریخ کا مقصد اور فائدہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد میاں مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آ رہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اس پر عمل کرنا تاریخ کا مقصد اور فائدہ ہے۔

تقویم کی تحقیق اور اس کی ضرورت:۔ گزشتہ زمانے کے واقعات و حادثات وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اور آئندہ زمانہ کے لین دین، معاملات وغیرہ کی تاریخ متعین کرنے کے لیے کیلنڈر کی نہایت ضرورت ہے، کیوں کہ کیلنڈر کے بغیر ماضی کی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے، نہ مستقبل کی تاریخ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔تقویم کی اقسام:۔ واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی تقاویم چلتی ہیں، جن کا دار و مدار تین چیزیں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے۔ اس لیے بنیادی تقاویم تین ہیں۔شمسی، قمری، نجومی۔ پھر شمسی کیلنڈر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عیسوی، جس کو انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں دوم بکرمی جس کو ہندی بھی کہتے ہیں، سوم تاریخ فصلی۔ ان کے علاوہ اور بھی تقاویم ہیں، جیسے تاریخ رومی، تاریخ الٰہی۔تاریخ عیسوی: تاریخ عیسوی (جس کو تاریخ انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں) شمسی ہے۔ یہ تاریخ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے رائج ہے یا نصاریٰ کے بزعم باطل حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے سے شروع ہوتی ہے، اس کی ابتدا جنوری او رانتہا دسمبر پر ہوتی ہے۔

تاریخ قمری:۔ تاریخ قمری کی ابتدا محرم الحرام سے ہوتی ہے، یہ اسلامی تاریخ ہے، جو دیگر تقاویم سے ہر لحاظ سے ممتاز ہے۔سنہ شمسی اور قمری میں فرق جاننا چاہیے کہ سنہ شمسی تین سو پینسٹھ دن اور ربع یوم کا ہوتا ہے، چار سال میں ایک دن کا اضافہ ہو کر ہر چوتھے سال 366 دن کا سال ہو جائے گا۔سنہ قمری سے سنہ شمسی میں دس دن اکیس گھنٹے زائد ہوتے ہیں۔قمری تقویم کے فوائد:۔ مروجہ تقویم میں سے جو فوائد قمری تقویم میں ہیں وہ کسی اور تقویم میں نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ رب کائنات نے روزمرہ کے کام کاج اور لین دین کی آسانی و سہولت کی خاطر چاند کا نظام اس طرح بنایا جس سے ہر انسان ہر علاقے میں آسانی سے تاریخ کا تعین کر سکتا ہے۔مثلاً مغرب کی طرف سے جب چاند پتلا نظر آتا ہے تو ہر انسان (

عالم، جاہل، شہری، دیہقانی) معلوم کرسکتا ہے کہ مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، اسی طرح چاند جب بالکل مکمل ہو تو اس سے چودھویں تاریخ کا تعین کرسکتا ہے، اسی طرح جب مشرق کی جانب سے چاند باریک طلوع ہوتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیس یا اٹھائیس تاریخ ہے، اسی طرح روز روز واضح طور پر چاند کی صورت تبدیل ہو جاتی ہے، جس سے ہر انسان معمولی تدبر سے تاریخ کا تعین کرسکتا ہے۔

بخلاف شمسی تقویم (کیلنڈر) کے کہ اس سے تاریخوں کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلاً دسمبر کی پندرہ تاریخ ہو تو کوئی آدمی آفتاب دیکھ کر یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ آج پندرہ تاریخ ہے، نہ اس کی ہیئت وصورت میں نمایاں تبدیلی آتی ہے، جس کو دیکھ کر تاریخ کا تعین ہو سکے، نیز شمسی تاریخ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کرسکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے احکام وعبادات کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے، قرآن کہتا ہے یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج (سورۃ البقرہ)

قرآن پاک میں قمری مہینوں کا ذکر:۔ قمری مہینوں کا ذکر قرآن پاک میں صراحۃً موجود ہے، جیسے۔ شھر رمضان الذی اس آیت میں قمری سال کے ایک ماہ رمضان کا نام صراحتاً ذکر ہے یا ضمناً ذکر ہے۔ جیسے الحج اشھر معلومات البقرۃ اس میں اشہر سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔

ایک دوسری آیت میں اسلامی سال کے سارے مہینوں کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ آیت یہ ہے: ان عدۃ الشھو ر اثنا عنداللہ عشر شھرا، یقیناً شمار مہینوں کا کتب الٰہی میں اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔ اس آیت میں جن بارہ مہینوں کا ذکر آتا ہے ان سے مراد قمری مہینے ہیں، اس کی دلیل بھی یہی آیت ہے، وہ اس طرح کہ ان بارہ میں سے جو چار ماہ ادب کے لیے خاص کر دیے گئے ہیں، وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم او رجب ہیں۔ جنہیں ''اشھر حرم'' کہا جاتا ہے۔ جب یہ چار ماہ قمری کے ہیں تو باقی آٹھ ماہ بھی یقیناً قمری کے ہوں گے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قمری مہینوں کی ترتیب اور ان کے اسماء جو اسلام میں معروف ہیں یہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ رب العالمین نے جس روز زمین وآسمان کو پیدا کیا اسی دن سے یہ ترتیب اور یہ نام، ہر ماہ کے

ساتھ خاص خاص احکام متعین فرما دیے ہیں، جس کی ''تعبیر دین قیم'' کے ساتھ فرمائی ہے تو قمری تقویم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اسلامی تقویم ہے۔

چند اعتراضات کے جوابات:۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قمری حساب یقینی نہیں، کیوں کہ مہینہ کبھی 29 دن کا ہوتا ہے، کبھی 30 کا، سواس کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی یقینی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ اعتراض جاری ماہ کے متعلق نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کی تعیین رویت ہلال سے ہوچکی ہے، البتہ آئندہ ماہ کے بارے میں اندیشہ ہے، مگر اس کا تعین بھی یوم لگانے سے ہوسکتا ہے، مثلاً 8 شوال 1430ھ بروز جمعہ تو لفظ جمعہ سے تاریخ کا تعین ہوگیا، دوسری بات یہ ہے کہ عملی رویت ہلال مذہبی تقریبات کے لیے ضروری ہے عام حساب کے لیے ضروری نہیں۔ یہ حسابی طریقہ پر متعین کیا جاسکتا ہے۔ پوری دنیا میں چاند کا طلوع ایک دن میں نہیں ہوتا، بلکہ مشرق وسطیٰ میں برصغیر سے ایک یا دو دن پہلے نظر آجاتا ہے تو عرب ممالک اور پاکستان و بنگلہ دیش کی تاریخوں میں فرق ہوتا رہتا ہے تو مذہبی تقریبات کن لوگوں کی تاریخ پر منا ئی جائے؟! اگر ہر جگہ رویت کو معتبر کیا جائے تو عبادت بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے لیے ہر جگہ کی رویت کو مستند قرار دیا جائے گا، کیوں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، سارے انسانوں کے لیے تمام مقامات اور تمام زمانوں کے لیے ہے تو ساری دنیا میں بیک وقت عبادات ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ کی اذان صبح کے مطابق انڈونیشیا میں نماز فجر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ کے افاق و مطلع کے موافق آسٹریلیا میں عید منانا ممکن نہیں ہے۔ تو مسجد حرام کی نماز اپنے وقت پر ادا ہوگی انڈونیشیا کی نمازیں اپنے وقت پر، نیز حج، جو مقامی عبادت ہے، وہ مکہ ہی کے افق کے مطابق ادا ہوگا اور مشرق بعید کے ممالک میں عید وغیرہ اپنے اپنے مطلع کے مطابق ادا ہوں گی اور یہ کوئی نقص نہیں ہے، یہ فرق تو عیسائیوں اور ہندوؤں کے شمسی حساب میں بھی ہے، مثلاً جس وقت ویٹی کن میں کرسمس کا گھنٹہ بجتا ہے اس سے تقریباً گیارہ گھنٹے قبل جزیرہ سخالین میں کرسمس کی عبادت ہوچکی ہوتی ہے اور جس وقت بنارس میں بسنگ پنچمی کا اعلان ہوتا ہے ٹھیک اسی

وقت ماریشس میں نہیں ہوتا۔تو یہ بات کہ تقریبات بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی ،قمری ہجری تقویم کے سلسلے میں بطور اعتراض پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تقویم قمری ہجری اختیار کرنے کی صورت میں جن دقتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب واہمہ ہیں اور دوسری بڑی وجہ اسلامی ممالک میں اسلامی تقویم کا عدم نفاذ ہے، اس لیے سب اس نظام سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں،اگر یہ تاریخ نافذ ہوتو تجربےاورمرورایام سے تمام شبہات ختم ہو سکتے ہیں،عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب، جہاں اسلامی ہجری تقویم نافذ ہے وہاں کے کیلنڈر اور حساب کتاب میں کبھی ابہام نہیں پایا گیا اور کسی کو کوئی دقت اور اعتراض بھی نہیں۔

شمسی اور قمری تاریخ کے متعلق آخری اور اہم بات حضرت مفتی اعظم کے اس اقتباس میں ہے کہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع لکھتے ہیں کہ ’’اس کے یہ معنی نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔ شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے، تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری فروری کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہاء نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ہاں! اس میں شبہ نہیں ہے کہ سنت انبیاء اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم او رخلفائے راشدینؓ میں قمری حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجب برکت وثواب ہے اور شمسی حساب سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔‘‘

قارئین کی خدمت میں

ماہنامہ ’’صدائے شجاعیہ‘‘ دینی واصلاحی ترجمان ہے جو دراصل ایک دینی تحریک ہے جس کا حقیقی مقصد کتاب وسنت کا صحیح پیغام امت تک پہنچانا ہے۔ جس کی توسیع واشاعت میں حصہ لینا امت مسلمہ کا دینی فریضہ ہے۔ لہٰذا تمام حضرات سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اس ماہنامہ کے وہ بھی ممبر بنیں اور دوسرے احباب کو بھی ممبر بنائیں۔ سالانہ ممبر شپ صرف 200 روپئے ہے۔ انشاء اللہ آپ کی یہ کاوش آپ کے حسنات میں شمار ہوگی اور اس کار خیر میں حصہ لینے پر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ

از۔مولانا محمد ناصرالدین صدیقی صاحب

نام ونسب:۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی بلال ،والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامۃ ہے ،آپ کی کنیت کے سلسلہ میں کئی نام آئے ہیں ابو عبداللہ ،ابو عبد الکریم ،ابو عمرو، آپ عرب میں پیدا ہوئے اور آپ کی پرورش وتربیت عربوں کے درمیان ہوئی ،آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہم عمر تھے۔ (مستدرک)

حافظ ابن عساکر کا اندازہ یہ ہے کے عام الفیل سے تقریبًا تین سال قبل آپ کی پیدائش ہوئی ہے۔ (تاریخ دمشق)

جب آپ نے اسلام قبول کیا،تو امیہ بن خلف سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگا،حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ ،سات،نو،چالیس اوقیہ میں (علی اختلاف الاقوال) امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا۔(اسدالغابۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ درمیان اور اپنے چچازاد بھائی عبیدۃ بن حارث بن عبد المطلب کے درمیان بھائی چارگی قائم فرمائی۔(المستدرک)

حلیہ:۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں: جن لوگوں نے حضرت بلالؓ کی زیارت کی ہے،ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کا رنگ گندمی ،جسم دبلا پتلا،قد لمبا، پیٹھ میں جھکاؤ تھا اور ہلکے رخسار والے تھے،آپ کے اندر سفید بالوں کی کثرت تھی ؛لیکن خضاب نہیں لگایا کرتے تھے۔(المستدرک تاریخ ابن عساکر)

رشتہ دار:۔ آپ کی والدہ محترمہ حمامہ،ایک بھائی خالد،اورایک بہن عفرۃ ہیں، ماشاء - اللہ ان تمام حضرات نے اسلام قبول کیا ،خود آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔(تاریخ ابن عساکر،الاستیعاب)

فضائل:۔ حضرت بلالؓ ان خوش نصیب فرزندان ِ اسلام میں سے ہیں جنھوں نے شروع زمانہ ہی میں

اسلام قبول کیااوردین اسلام کے خاطرخوب ستائے گئے اذیتیں دی گئیں؛لیکن اسلام کو چھوڑ ناپسندنہیں کیا اور دین کے لئے ہر مصیبت برداشت کی اوراسلام پرثابت قدم رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودفرماتے ہیں:سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا،سات افراد ہیں:(١)جناب محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (٢)حضرت ابوبکرؓ (٣)حضرت عمارؓ(٤)حضرت سمیہؓ(٥) حضرت بلالؓ(٦)حضرت صہیبؓ(٧)حضرت مقدادؓ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کی اپنی اپنی قوم کی وجہ سے حفاظت فرمائی ،بقیہ افراد کومشرکین مکہ لوہے کی زرہیں پہنا کردھوپ میں ڈال دیتے اورسخت سے سخت تکلیفیں پہنچاتے ،بہرحال ہرایک کو چھٹکارانصیب ہوا؛لیکن حضرت بلالؓ کی مصیبت دورنہیں ہوئی ،حضرت بلالؓ کومکہ کےلڑکوں کے حوالہ کردیاجاتا کہ وہ گلی کوچوں میں لیکر پھراکریں(یہاں تک حضرت ابوبکرصدیقؓ نے انھیں خریدکرآزادفرمایا)(سیراعلام النبلاء)

حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد:۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کےوصال کے بعدمدینہ طیبہ میں رہنا اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا ،اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام جہاد میں گزاردیں،یہ سوچ کر حضرت ابو بکرصدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا،اے اللہ کے رسول کے خلیفہ وجانشین !میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نےفرمایا:

مؤمن کا سب سے بہترین عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے ،حضرت ابوبکرصدیقؓ نے پوچھا ،اے بلال !تم کیا چاہتے ہو؟عرض کیا ،میں اللہ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت میں بقیہ زندگی گزارنا چاہتاہوں،حضرت ابوبکر نے فرمایا:اے بلال !میں تمھیں اللہ کی قسم دیتاہوں اور میرے حق کا واسطہ دیتاہوں ،میں بوڑھاوکمزورہوچکا ہوں ،میری موت کا وقت قریب آچکا ہے ،(لہذا تم میرے ہی پاس قیام کرو)،تو حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہی آپ کی وفات تک مدینہ میں قیام فرمایا۔

حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں وہی درخواست کی ،حضرت عمرؓ نے مدینہ ہی میں قیام کی فرمائش کی ؛لیکن حضرت بلالؓ یارنہیں ہوئے ،تو حضرت عمرؓ نے پوچھا،اب اذان کی ذمہ داری کس کے سپرد کروں ؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا ،حضرت سعد (القرظ) کو مؤذن بنادیجئے ،انھوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان دی ہے ،چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ اور آپ کی اولاد کو مؤذن بنادیا۔ (سیر اعلام ابن عساکر)

حضرت بلالؓ نبی ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دی ۔ولید بن مسلم کہتے ہیں: سعید بن مسلم ،ابن جابر وغیرہ حضرات نے مجھے خبر دی ہے کہ حضرت بلالؓ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دی اور جہاد میں جانے کا ارادہ کیا،تو حضرت ابوبکرؓ نے منع فرمایا،تو حضرت بلالؓ نے عرض کیا ،اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے،تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں،اس بات پر حضرت ابوبکرؓ خاموش ہوگئے اور حضرت بلال ملک شام چلے گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر ''جابیہ'' تشریف لے گئے ،ساتھیوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ حضرت بلالؓ کو اذان کی فرمائش کی جائے ،چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو اذان کی فرمائش کی ،آپ نے اذان دی ،اس دن سے زیادہ کسی اور دن مسلمانوں کو زیادہ روتے ہوئے دیکھا نہیں گیا۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوجانے کی وجہ سے) (سیر اعلام ۱۲/۳۷ بلا اسناد ،ابن عساکر ،فتح الباری ،عمدۃ القاری،باب الوکالۃ ،طبقات ابن سعد)

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری:۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے ذکر فرمایا ہے : حضرت بلالؓ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے ،ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ماھذہ الجفوۃ یا بلال ! اے بلال ! یہ کیا ظلم ہے ،ہمارے پاس کبھی نہیں آتے ،آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضری دی اور رونے لگے، پھر حضرات حسنینؓ آئے ،ان

سے لپٹ گیے اورانھیں چومنے لگ۔

حضرات حسنینؓ نے اذان کی فرمائش کی ،لاڈلوں کی درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی ،اذان دینا شروع کیااورمدینہ میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑنے کی وجہ سے کہرام مچ گیا،عوتیں تک روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں، چندروز قیام فرماکر دوبارہ دمشق چلے گئے۔(اسد الغابۃ احکایات صحابہ حضرت شیخ مذکورہ واقعہ اختصار کے ساتھ ذکرفرمایاہے)

حضرت بلالؓ کی مرویات

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کی کل مرویات چالیس (۴۰)ہیں،متفق علیہ(۱)صرف بخاری میں(۲)اورصرف مسلم میں ایک موقوف روایت ہے،(سیراعلام)

آپ سے اکابرصحابہ اورکبارتابعین نے روایت کی ہے،حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت علی،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت جابر،حضرت ابوسعید خدری ،حضرت اسامہ بن زید،حضرت براء بن عازب ،حضرت کعب بن عجرۃ ،حضرت صنابحی۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب ،ابوعثمان نھدی،حضرت اسود،حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ،حضرت ابوادریس خولانی اورحضرت حکم بن میناوغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔(المستدرک،سیر)

وفات:۔ آپﷺ نے ساٹھ سے زائدسال عمرپائی، جب وفات کاوقت قریب آیا،تو آپ کے زبان مبارک پر یہ شعرتھا۔

غدا نلقى الاحبة☆محمدا وحزبه

کل ہم دوستوں سے ملاقات کریں گے ،محمدصلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے ساتھیوں سے ملیں گے۔آپ کی بیوی کہنے لگی: واویلاہ ،ہائے افسوس! آپ فرمارہے تھے :وافرحاہ ،ہائے خوشی! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سفروحضرکے مؤذن اللہ کے نبی علیہ السلام کے شیدائی ۲۰ھ میں دمشق میں تاقیام قیامت اپنی یادکو چھوڑتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپردکردی اورباب صغیرکے پاس مدفون ہوئے۔(اکثرروایات کے مطابق،سیر ،مستدرک) اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلندفرمائے ،آپ کی طرح ہمیں بھی قبول فرمائے۔

ماہ صفر المظفر اور کچھ جاہلانہ رسم ورواج

حضرت العلامہ مولانا ڈاکٹر طاہر القادری صاحب

حضرت نبی اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ جس ماحول و معاشرہ میں ہوئی، وہ بالکل کفر وشرک کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اور توہمات و باطل افکار واعتقادات کی اسیری میں جکڑا ہوا تھا، عقیدہ توحید سے محرومی نے اس کو بد شگونی کے گہری کھائی اور غاروں میں ڈھکیل دیا تھا، اپنے خالق و مالک کو بھولے ہوئے اس کے در سے ٹوٹے ہوئے انسان دردر کی ٹھوکریں کھا رہے تھے، خوف خدا و خوف آخرت سے بے نیازی نے ان کو ہر چھوٹی بڑی حقیر سے حقیر ترین شئی سے ڈر وخوف میں مبتلاء کر دیا تھا، اسی ڈر و خوف کے زیر اثر مشرکین عرب ماہ صفر اور ماہ شوال کو منحوس سمجھتے تھے، اور ان مہینوں میں اسی بداعتقادی کی وجہ نکاح و شادی اور دیگر اچھے کام کرنے سے سخت احتراز کرتے، کسی نئے کام کے آغاز یا کسی مہم کے سر انجام دینے سے باز رہتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان مہینوں کے نحس ہونے کی وجہ ان مہینوں میں کیا جانے والا کوئی کام کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، اس رسم بد کی بیخ کنی کیلئے اسلام نے ماہ شوال کو مکرم اور ماہ صفر کو مظفر کی صفت سے متصف کیا۔

دل ودماغ سے اس بداعتقادی کے جراثیم کو کرید کر نکال باہر کرنے کیلئے مزید عملی اقدامات کئے۔ چنانچہ حضرت نبی مکرم سید عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (اُم المومنین) سے ماہ شوال المکرّم میں نکاح فرمایا، اُم المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے زیادہ اور کون خوش نصیب ہوسکتا ہے۔یعنی کسی دن یا مہینہ میں کوئی نحوست ہوتی تو پھر مجھ کو یہ بلند مقام کس طرح مل سکتا تھا اور یہ مرتبت رفیعہ کس طرح میرے حصّہ میں آسکتی تھی۔ معاشرہ سے اس بد شگونی و بداعتقادی کے آثار کا بالکلیہ خاتمہ کرنے

کیلئے اُم المومنین رضی اللہ عنہا اپنے خاندان کی لڑکیوں کے نکاح کیلئے ماہ شوال المکرّم کا انتخاب فر ماتیں چونکہ دور جاہلیت کے بے بنیاد اعتقادات و توہمات میں سے ایک ''ماہ صفر'' کا نحس ہونا بھی تھا اس لئے ماہ صفر کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ مشرکین عرب ماہ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں تو آپ ﷺ نے ایک مختصر اور بلیغ جملہ ''لاصفر'' یعنی ماہ صفر میں کوئی نحوست نہیں ارشاد فرما کر فکر وفہم کو جلا بخشی ہے اور اس بدشگونی و بداعتقادی کے جال میں محبوس معاشرہ کو چھٹکارا دلایا ہے۔

خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر ابن الخطاب کے عہد خلافت میں ماہ صفر کے مہینہ میں ہی بے شمار فتوحات حاصل ہوئی ہیں ۔ اسی ماہ میں بڑے بڑے ممالک اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے ہیں ۔ اگر ماہ صفر منحوس ہوتا تو حضرت سیدنا عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر کو اس طرح کی بے شمار فتوحات حاصل نہیں ہوتی۔

ماہ صفر المظفر کو تیرہ تیزی کا مہینہ بھی کہتے ہیں ،بعض ضعیف الاعتقاد اس ترقی یافتہ دور میں آج بھی اس مہینہ کو مصائب وآلام ،حوادث وآفات کے نزول کا مہینہ مانتے ہیں اور اس ماہ کے نحس ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، بعضوں نے من گھڑت روایات کے حوالے سے جو بعض غیر مستند کتب میں منقول ہیں اس بدعقیدگی کو مضبوط و مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک موضوع روایت ،فکر صحیح و صحت اعتقاد سے محروم افراد بیان کرتے ہیں کہ ''سال تمام میں جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں اُتنی ماہ صفر میں نازل ہوتی ہیں اور ماہ صفر میں نازل ہونے والی ساری بلائیں صرف تیرہ تیزی یعنی تیرہ صفر المظفر کے دن نازل ہوتی ہیں''۔

دور جاہلیت میں بعض عربوں کا ماننا تھا کہ صفر سے مراد وہ سانپ ہے جو ہر ایک انسان کے بطن میں ہوتا ہے اور شدید بھوک کے وقت ڈستا ہے اور ایذاء پہونچاتا ہے، بعضوں کا خیال تھا کہ صفر سے مراد بطن کے وہ جراثیم ہیں جو بوقت بھوک کاٹتے ہیں، اس کی وجہ آدمی کا رنگ زرد ہوسکتا ہے اس سے ہلاکت بھی ہوسکتی ہے، اور اس کے اثرات بد دوسروں میں سرایت کر سکتے ہیں، اس لئے بھی وہ ''صفر'' کو منحوس جانتے تھے۔حضرت نبی مکرم سیدنا محمد رسول ﷺ کا یہ مبارک مختصر و جامع ارشاد

''لاصفر'' (ماہ صفر میں کوئی نحوست نہیں) نے اس طرح کی من گھڑت روایات اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ بداعتقادی و بدشگونی کے جاہلانہ افکار پر خط تنسیخ پھیر دیا ہے۔ پیغمبر انسانیت رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خصوصی پیغام قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کیلئے دیا ہے وہ ایک عظیم منشور ہے جس کی عظمت کو غیر مسلم مفکرین نے بھی تسلیم کیا، اور مستشرقین نے بھی اس سے روشنی حاصل کی ہے، اقوام متحدہ کے دستور میں بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

اس خطبہ بلیغہ میں بدشگونی و بداعتقادی کے جاہلانہ رسوم و عادات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''اے لوگو جہالت کے جتنے رسوم تھے ان سب کو اپنے قدموں تلے روندتا ہوں، تمہارے درمیان دو چیزیں ایک قرآن پاک دوسری میری سنت چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے تم سب ایک اللہ کے بندے اور ایک باپ یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔

ماہ و سال یا دنوں میں نحوست کو ماننا گویا زمانے کو برا کہنا ہے چونکہ زمانے کو برا کہنا اللہ سبحانہ کو برا کہنے اور اسکی قدرت و سلطنت میں نقص ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ زمانہ کوئی اور شئی نہیں بلکہ وہ تو اللہ سبحانہ کا بنایا ہوا ہے حدیث قدسی میں ارشاد ہے ''**لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنِّي أَنَا الدَّهْرُ**''۔ اس کے علاوہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ''یقیناً مہینوں کی تعداد اللہ تعالی کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ ہیں۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اور یہی دین قیم ہے''۔ اللہ تعالی نے ہی تمام ساعتوں' دنوں اور مہینوں کو پیدا فرمایا۔ لیکن بعض ساعتوں کو بعض پر' اور بعض دنوں کو بعض دنوں پر اور چند مہینوں کو دیگر مہینوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالی نے فی نفسہ کسی چیز کو یا کسی لمحہ' یا کسی دن' یا کسی مہینہ کو منحوس نہیں پیدا فرمایا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے انسان پر بلا و مصیبت کے نازل ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''تمہیں جو کوئی مصیبت (بلا) پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے (پہنچتی ہے)''۔ قرآن مجید میں

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ''اللہ تعالی کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر (گناہوں میں مبتلا ہوکر) ظلم کرتے ہیں''۔

ایمان کی نعمت سے مشرف وہ خوش نصیب بھی ہیں کہ کلمہ اسلام نے انکے اندر اللہ سبحانہ کی وحدانیت' اسکی ربوبیت اور اسکے حاکم مطلق ہونے کا عقیدہ راسخ کردیا ہے۔اس کلمہ کا زبان سے اقرار اور دل کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کے بعد وہ کسی اور میں نفع ونقصان کی طاقت کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے قر آن پاک کے اس ارشاد پر وہ کامل یقین رکھتے ہیں ''اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچائے اور مصیبت میں مبتلاء کردے تو بجز اس کے اسکو رد کرنے والا اور تم سے اسکے فضل کو دور کرنے والا کوئی نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔(سورہ یونس)

اللہ کے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی کئی ایک جامع دعائیں ہیں جو ایمان والوں کے حرز جان ہیں جو عبدیت و بندگی کے پاکیزہ جذبات اور اسکی عظمت وہ قدرت کے اعتراف واظہار سے لبریز ہیں ان میں سے ایک دعاء کے کلمات یہ ہیں ''ما شاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن'' اللہ سبحانہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ان جیسے کمال ایمان سے متصف اللہ کے نیک بندے ہر آن اللہ کے حضور رجوع رہتے ہیں۔

حوادث وآلام' ضرر ونقصان ہر حال میں اسی سے لو لگائے رہتے ہیں' حق کے سوا کسی اور کی طرف انکی نظر اٹھنے نہیں پاتی' اللہ پر توکل واعتماد انکو راہ حق سے بھٹکنے نہیں دیتا' نعمتوں پر شکر گزاری' مصیبت و پریشانی میں صبر و بندگی انکی زندگی کی پہچان ہوتی ہے۔البتہ وہ مسلمان جو مومن و مسلم ہونے کے باوجود کتاب و سنت سے دوری ،علم صحیح و تربیت اسلامی سے محرومی کی وجہ سے جاہلانہ اوہام وخرافات کا شکار رہیں ماہ صفر کے حوالے سے جن جاہلانہ تصورات و اعمال اور فرسودہ افکار و اعتقادات و توہمات کے اسیر ہیں۔

ان کیلئے قرآن کا پیغام یہ ہے۔''اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاو اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔(سورۃ البقرہ) اگر ہم آج بھی جاہلانہ رسم ورواج پر

عمل پیرا ہو اور مشرکین عرب کے عقیدہ پر چلتے ہوئے ماہ صفر کو منحوس سمجھ کر اس ماہ میں کوئی اچھا کام نہ کرے اور اپنے ایمان کے کامل ہونے کا عملی ثبوت نہ دے تو اللہ تعالی قرآن مجید میں ناقص ایمان والوں کیلئے سخت وعید بیان فرمائی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ”اور جو کوئی ایمان کا انکار کرے (اپنے ایمان میں نقص پیدا کرے) تو اس کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا“۔ تمام چھوٹے بڑے اعمال کی قبولیت کا دار ومدار ایمان کی سلامتی پر موقوف ہے اگر ہمارا ایمان سلامت ہے تو تمام اعمال قبول ہوں گے اور اگر ہمارے ایمان میں کمی یا ایمان کمزور ہوگا تو تمام اعمال رائیگاں ہوں گے ۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا ” جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو اللہ تعالی اس کو اس کے گناہوں کی سزا دے کر اسے جنت میں ضرور داخل فرمائے گا۔

موجودہ مسلم سماج اگر اس آیت پاک کو سرمہ بصیرت بنالے تو پھر سماج سے فرسودہ رواجات، بدعات و خرافات دور ہوسکتے ہیں اور جاہلانہ افکار کی اسیری سے وہ رہائی پاسکتے ہیں ۔ ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی اعتقادات و اعمال کا عملی پیکر بنیں، اور فرسودہ رسوم و رواجات، بیجا اوہام و خرفات، خلاف اسلام عادات و بدعات کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی انسانیت کو عملی پاکیزہ اسلامی فطری راہ دکھا کر اس سے اس کو رہائی دلائیں ۔

ماہ صفر کے کچھ حقائق

ماہ صفر اسلامی مہینوں کی ترتیب کا دوسرا مہینہ ہے، تین پے در پے حرمت والے مہینوں کے بعد یہ مہینہ زمانۂ جاہلیت میں جنگ و جدال کا پہلا مہینہ تھا، جسمیں سارا عرب معاشرہ اپنے اپنے گھروں کو خالی کر کے سارے ساز و سامان اور اہل وعیال کا ایک قافلہ لے کر میدان کارزار میں جمع ہوجاتے تھے اور اپنے نام ونمود، حسب ونسب، اور انتقامی جنگوں میں مصروف ہوجاتے تھے اسی لئے عرب اسے صفر المکان یعنی گھروں کو خالی کرنے کا مہینہ کہتے تھے جو اس لحاظ سے اپنے طور پر ضرور انفرادیت کا حامل ہے۔

مگر اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ سارا زمانہ محترم ہے اس لحاظ سے یہ مہینہ بھی بہت ساری عظمتوں اور حرمتوں کا حامل ہے ،البتہ نہ کوئی خصوصی فضیلت وارد ہوئی ہے اور نہ کوئی مخصوص عملی اہمیت کی تاکید ہے۔ دینِ اسلام نے ہمیشہ توحیدِ خالص کی تعلیم دی ہے، جاہلی معاشرے کے رسم و رواج ،توہم پرست سماج کی فرسودہ روایات اور یہود و نصاریٰ کی مذہبی تحریفات کی وجہ سے جو غلط فہمیاں اور بے بنیاد باتیں ، بے تکے اعمال،اور بے وجہ توّہمات کی بناء پر اس مہینے کی بابت نحوست اور بدشگونی منسوب ہوگئی، اسلام کی آمد کے بعد قرآن مجید نے دوٹوک الفاظ میں ان ساری چیزوں کی ممانعت کردی۔

ماہ وسال، صبح وشام اور دن و رات کے آٹھوں پہر اللہ کی مخلوقات میں سے ہیں۔ سارا زمانہ حرمت اور برکت والا ہے،اور تمام مہینوں کی طرح صفر کا مہینہ بھی ان اہم مہینوں میں سے ایک ہے جس میں عہدِ نبوت ،زمانہ رسالت اور دور خلافت راشدہ کے بے شمار غزوات ،سریات اور فتوحات واقع ہوئیں، بے شمار ملکوں میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا، لا تعداد لوگوں نے اسلام قبول کیا، اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مالا مال ہوئے۔ اسی لئے اس مہینہ کے نام کے ساتھ مظفر کا لفظ لگایا گیا، جسکے بعد یہ صفر المظفر یعنی کامیاب اور صفر باظفر کہلانے لگا اور معنوی اعتبار سے بھی صفر کا مہینہ کامیاب ہوگیا، اسی لئے اس میں بدشگونی تو دور کی بات بدظنی کی بھی گنجائش نہیں ،اقوام و ملل اور زمان و مکان کی تاریخ کا خزانہ اس تاریخی حیثیت سے بھرا پڑا ہے قرآن و حدیث کے نصوص بھی اس کے شاہد ہیں کہ نحوست اور بدفالی کا تصور بے بنیاد ہے۔

خیر و شر (بھلائی و برائی) ، نفع و نقصان ،سود و زیاں ،عزت و ذلت ،مرض و شفا، غم و مسرت اور افلاس و تونگری صرف اور صرف قبضہ قدرت میں ہے، اسی وحدہ لاشریک کی مرضی و منشاء کے مطابق بندے کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں، اور اس کی نافرمانی کرکے' گناہوں میں مبتلا ہوکر اور شرک و بدعت میں ملوث ہوکر' تنہا اس کی عبادت نہ کرنے سے رسوائیوں اور ناکامیوں کے گہری کھائی میں جا گرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نحوست اور سعادت کا معیار انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے ، ہر وہ نیک عمل جو خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو چاہے وہ سال

کے کسی مہینے، مہینے کے کسی روز وشب، صبح وشام کے کسی پہر، پہر کے کسی وقت اور کسی لمحہ میں ہو، وہ لمحہ ،وہ وقت، وہ مہینہ اور وہ زمانہ باسعادت ہے اسی طرح ہر براعمل جسے انسان نے اپنی زندگی کے کسی بھی وقت کیا ہو وہ وقت اس کی نحوست کا باعث ہے، بالفاظِ دیگر دین و شریعت کے احکامات اور تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا، اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی چیزوں یعنی سنتوں کا اہتمام کرنے میں جو وقت گذرتا ہے وہ وقت انسان کی سعادتمندی اور فوز وفلاح کا سبب بنتا ہے اور مردِ مومن کے لئے اس کے ایمان کی تروتازگی اور نشوونما کا باعث ہوتا ہے۔

،اور خلافِ شریعت ترکِ سنت ،اور معصیت کے سبب انسان پر غیر شعوری طور پر جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ اسکی زندگی میں قباحتوں اور نحوستوں کا احساس دلاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بعینہ اسی وقت کو منحوس سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالی نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا ’’جو کوئی مصیبت (بلا یا بیماری) تمہیں پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ (پہنچتی ہے) ،الغرض صفر، مظفر ہے صفر باظفر ہے، صفر نے غزوات کے سب سے پہلے غزوہ ،غزوۃ الابواء سے اسلام کو کامیابیاں بخشی ہیں، صفر نے صحابہ کرام سابقینِ اولین کو جینے کا حوصلہ دیا ہے۔

ہم تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ہم اپنے ایمان کو پختہ اور کامل کرتے ہوئے اللہ کے حکم ’’ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَافَّةً ‘‘ (اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بدشگونی اور بدفالی کے اس عمل کو چھوڑ کر عزم و یقین ،نیک نیتی اور خلوص وللّٰہیت سے ہر وہ عمل ماہِ صفر میں کریں جو آپ شبانہ روز اور ماہ وسال کے دوران کرتے ہیں شادی بیاہ ،خوشی ناخوشی، صحت و بیماری، مرض وتندرستی اور اسلامی اور شرعی احکام کے پاس ولحاظ کے ساتھ سیر وسیاحت کریں اور شوق سے کریں اور قرآنی حکم کے مطابق دنیا کے ہر منظر کو دیکھیں آپ کے دیدہ عبرت نگاہ کو سامانِ عبرت اور زادِ بصیرت حاصل ہو جائے گا اور دنیا میں کفر وشرک میں مبتلاء اقوام ،شہوت اور ہوا پرستی میں ملوث ملتیں اور ظالم اور جابر حکمران کا عبرت خیز انجام اور ان کے ہلاک شدہ مقامات، کھنڈرات اور نشانات دیکھنے سے اللہ رب العزت پر ایمان و یقین اور مضبوط ہو جائیگا اور ہر ہر قدم آپ کو ایمان کی حلاوتیں نصیب ہونگی۔اور آپ کا ایمان کامل ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

مولانا محمد شاکر نوری

حضرت خواجہ حسن بصریؒ زندگی کے ابتدائی ایام میں موتیوں اور جواہرات کے سوداگر تھے۔ قِسم قِسم کے موتی اور جواہرات کی آپ تجارت کرتے اور بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس جواہرات تحفہ میں لے جا کر پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ جواہرات ہرقل بادشاہ روم کے پاس لے گئے۔

پہلے وزیر سے ملے اور اپنے آنے کا اور بادشاہ کی خدمت میں تحفہ لانے کا حال بیان کیا۔ وزیر نے کہا کل تو بادشاہ کو ایک نہایت ضروری کام ہے۔ اصلاً فرصت نہ ہوگی اور وہ کام دیکھنے کے قابل ہے۔

حضرت حسن نے کہا کہ میں ضرور دیکھوں گا۔ وزیر نے حضرت حسن کو لے جا کر ایک جگہ میدان میں ٹھہرایا جس میدان میں ایک خیمہ زری کا قائم تھا۔ اس کے آس پاس اعلیٰ درجہ کی مخمل کا فرش تھا، خیمہ کی طنابیں زری کی تھیں۔ اس کی چوبیں چاندی کی تھیں میخیں سونے کی تھیں۔ نہایت قابل دید منظر تھا۔

وزیر نے حضرت حسن کو خیمہ کے عقب میں چلمن کے پیچھے کھڑا کیا کہ جس جگہ سے حضرت حسن نے سارا تماشا دیکھ لیا لیکن وہ خیمہ دراصل شاہ ہرقل کے عزیز فرزند کی قبر پر کھڑا تھا اور آج اس کی سالانہ برسی کا دن تھا۔

بادشاہ سالانہ رسم تعزیت ادا کرنے یہاں آیا تھا۔ حضرت حسن نے دیکھا کہ پہلے ایک جماعت مقدس عیسائی لوگوں کی خیمہ کے اندر آئی اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر پڑھنے لگے اور پھر روتے ہوئے نکل کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک طبیبوں کی جماعت اور انتہائی اہل عقل لوگوں کی آئی۔

یہ لوگ بھی ننگے سر قبر کے پاس کھڑے روتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد نکل کر چلے گئے۔ ان کے بعد فوج کے افسروں کی جماعت ننگی تلواریں لے کر

خیمہ کے اندر آئی وہ بھی قبر کی سلامی اتار کر ناکام واپس گئی۔فوجی لوگوں کے بعد ایک جھنڈ نوجوان عورتوں کا آیا جن کے سر کے بال کھلے تھے۔ان کے ہاتھوں میں سونے کی تھالیاں تھیں جن میں موتی اور جواہرات بھرے تھے۔ان عورتوں نے قبر کا طواف کیا اور بہت سا رو کر یہ بھی خیمہ سے باہر چلی گئیں۔ان سب کے بعد بادشاہ خود خیمہ کے اندر آیا اور قبر کے پاس کھڑا ہو کے کہنے لگا: بیٹا! تو مجھے بہت پیارا تھا مگر افسوس کہ تو مر گیا۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ جس نے تیری جان لی ہے وہ ان بڑے بڑے راہبوں اور پادریوں کا کہا مان کر تیری جان واپس کر دے گا۔تو یہ بڑے بڑے عیسائی راہب اس کام کے لئے تیرے پاس حاضر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے کہنے سے کچھ نہ ہوگا۔اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ عقلمندوں اور طبیبوں کی تدبیر کرنے سے تیری جان خدا تجھے بخش دے گا تو یہ بہت بڑی جماعت طبیبوں اور بڑے بڑے عقلمندوں کی تیری قبر کے پاس کھڑی ہے اور تیری رہائی کی تدبیریں کرنے کو موجود ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تجھے ایسے زبردست نے مارا ہے کہ اس کے سامنے کسی کی تدبیر نہیں چلتی۔

اے فرزند! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ جس نے تیری جان نکالی ہے وہ کسی بڑی فوج سے ڈر کر تجھے چھوڑ دے گا تو یہ کثیر فوج اور فوج کے افسر تجھے قید سے چھڑانے کو تیری قبر کے پاس موجود ہیں لیکن جس نے تجھے قید کیا ہے وہ ایسا زبردست خدا ہے کہ کوئی فوج اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتی۔

اے فرزند! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ جس نے تجھے مارا ہے وہ حسین اور خوبصورت عورتوں کا طالب ہے اور حسین عورتیں لے کر تجھے چھوڑ دے گا تو یہ خوبصورت عورتوں کی جماعت حاضر ہے مگر میں جانتا ہوں کہ نہ وہ حسین عورتوں کا طالب ہے نہ مال و جواہر کا خواستگار ہے اور اب وہ تجھے کسی طرح نہ چھوڑے گا۔

اس لئے میں اب تجھ سے پھر ایک سال کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر بادشاہ خیمہ سے باہر نکل آیا اور سب لوگ قبر کے پاس سے رخصت ہوئے۔حضرت حسن نے یہ واقعہ دیکھا تو دل پر ایسا

اثر پڑا کہ دنیا سے طبعیت یک لخت ہٹ گئی اور آپ نے آئندہ دنیا کے جواہرات بیچنے چھوڑ کر آخرت کے جواہرات خرید نے شروع کر دیئے اور دنیا کے جملہ کاروبار سے الگ ہو کر اس فکر میں پڑ گئے کہ آخرت کا زادِ راہ مہیا کریں اور بصرے میں آ کر قسم کھائی کہ اب اس دنیا میں کبھی ہنسوں گا نہیں اور پھر عبادت و مجاہدہ میں کچھ اس طرح مشغول ہو گئے کہ اس زمانے میں کوئی ویسا نہ تھا اور 70 برس تک تادم زیست بے وضو نہ رہے۔

خوف الٰهی :۔ ایک مرتبہ رات کے وقت خواجہ حسن بصری اپنے گھر میں بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے آپ کے عقیدت مندوں نے عرض کی یا حضرت! آپ کیوں روتے ہیں آپ پر تو اللہ تعالیٰ کا بڑا افضل و کرم ہے آپ عبادت گزار، متقی اور پرہیزگار ہیں آپ کا شمار اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں ہوتا ہے پھر آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس خیال سے رو رہا ہوں کہ کہیں میری ناسمجھی اور بھول سے کوئی ایسا کام مجھ سے سرزد نہ ہو گیا ہو جو میرے پروردگار کو پسند نہ ہو یا میں نے غلطی سے اپنا قدم کسی ایسی جگہ پر نہ رکھ دیا ہو کہ جس جگہ پر جانا میرے اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو اگر کبھی مجھ سے ایسا ہو گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے راندہ جاؤں اور اللہ تعالیٰ میری کوئی بھی عبادت قبول نہ فرمائے۔

اصلاح نفس :۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے ملازم کو کہا میرے لئے بازار سے نان اور مچھلی لا۔ جب وہ لایا اور سامنے رکھی تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ گنہگار بندے کو ایسا لذیذ کھانا کھانے سے کیا سروکار، نوکر نے کہا حضور! میں تو آپ کے ارشاد پر نان اور مچھلی لایا تھا۔ آپ نے نعرہ لگایا اور رونے لگے چالیس دن تک کوئی چیز نہ کھائی۔ اور فرمایا کہ اے میرے نفس! میں نے تجھے سزا دی کہ تو لذیذ کھانے کی خواہش کی تھی۔ اس طرح آپ نے تزکیہ نفس کے لئے اپنے نفس کو سمجھایا کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لئے اللہ جو عطا کرے اسے قبول کرو، خود خواہش نہ کرو۔

برگزیدہ مقام :۔ حضرت خواجہ حسن

بصریؒ کا ارشاد کہ جو شخص کسی بد طبقہ کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرتا ہے تو دراصل یہ اس کی اپنی برائی اور شرارت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر اس کی سرشت میں بھلائی ہوتی تو وہ از خود نیک و طاہر لوگوں کی صحبت کی طرف راغب ہوتا۔ چنانچہ ہر برے آدمی کو کسی دوسرے شخص یا صحبت پر الزام لگانے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہئے کہ وہ اپنی نااہلیت و نالائقی کے سبب برائی کے کنویں میں گرا۔ ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ صوفیاء کے گرد اپنی خواہشوں کے حصول کے لئے جمع ہو جایا کرتے ہیں اور نام نہاد صوفی بھی بن جاتے ہیں۔

ان میں سے کئی تو جب مطلب براری نہ ہو تو اپنی راہ لیتے ہیں اور صوفیاء کرام کے منکر بھی ہو جاتے ہیں مگر جو لوگ خدا کی رضا کی خاطر اولیاء کرام کے ہاں حاضر ہوتے ہیں وہ نہ صرف صوفیاء کی نظر میں مقبول و منظور ہو جاتے ہیں بلکہ خداوند کریم بھی ان کو برگزیدہ مقام عطا فرماتا ہے اور یہی فرق ہے نیک اور بد لوگوں میں کہ انہیں دنیاوی مقاصد کا حصول کرنا ہوتا ہے جبکہ نیک لوگوں کو آخرت کی دولت، بزرگان دین کی نظر عنایت اور رسول ﷺ کی شفاعت اور اللہ کی رضا پیش نظر ہوتی ہے۔

خلیفہ کو نصیحت :۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت حسن بصری کے نام ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ میرے رفیق! تم جانتے ہو کہ میں ایک بہت بڑے کام میں مبتلا ہوا ہوں مجھے کچھ نصیحت فرمایئے اور آپ کے ساتھی جو اللہ کے ولی ہیں ان میں سے کسی ایک کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ اس کے ساتھ رہنے سے مجھے کچھ آسانی ہو سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے اس خط کے جواب میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے لکھا کہ امیر المومنین کا خط میں نے پڑھا اور اس میں جو ارشاد کیا گیا تھا اسے بھی سمجھ لیا۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ رہنے سے مجھے آسانی ہو جائے گی تو تم سمجھ لو کہ جیسے شخص کی تم تمنا کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی نہیں آئے گا اور تم سے فارغ ہوگا اور جو شخص کہ تمہارے پاس آئے گا اس جیسے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ سے تمہیں کوئی

آسانی اور فائدہ حاصل نہیں ہو گا اور تم نے جو نصیحت کے لئے لکھا ہے تو جان لو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتا ہے تو لوگ بھی اس سے شرم رکھتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں پر دلیری کا اظہار کرتا ہے تو سب لوگ اس پر دلیر ہو جاتے ہیں اور جو کوئی آج امن میں ہے کل کو خستہ حال ہو گا اور جو آج خستہ حال ہے کل کو امن میں ہو گا اور جو کوئی اپنے آپ پر تکبر کئے ہوئے ہو گا وہ دنیا اور آخرت میں معزول ہو گا۔

دنیا کی تمام نیکیوں کا نچوڑ صبر کرنا ہے اور صبر کا اجر سب سے زیادہ ہے اور اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور مدد طلب کر، تا کہ تجھے مدد ملے اور اس پر بھروسہ رکھ تا کہ کاموں میں تیری مدد ہو اور جو کوئی آنکھ کو آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ جو کچھ چاہے وہی دیکھے تو اس کا غم طویل ہو جاتا ہے اور جو کوئی زبان کو کھلی چھوڑ دیتا ہے کہ جو کچھ چاہے وہی کہے وہ گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ میری سوچ کے مطابق جو باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں وہ تجھے راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

تقویٰ و پرہیزگاری :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور عرب کا مشہور شاعر فرزوق دونوں موجود تھے حضرت خواجہ حسن بصریؒ تقوی اور پرہیزگاری میں اور فرزوق شاعر برائی اور بدکاری میں شہرت رکھتا تھا۔ اس مجلس میں سے اچانک ایک شخص نے آواز دی کہ اس مجلس میں ایک شخص ایسا ہے کہ جو سب سے بہتر اور افضل ہے اور ایک شخص ایسا ہے جو سب سے برا اور بدتر ہے۔ فرزوق شاعر نے اس آواز کو سن کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے کہا کہ یا حضرت! یہ آواز کیسی ہے؟ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ سب سے بہترین کون ہے اور سب سے بدترین کون ہے؟

یہ بات تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ فرزوق شاعر حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے مخاطب ہو کر بولا، حضور! اس مجلس میں بدترین شخص میں ہوں۔ قضائے الٰہی سے کچھ مدت بعد فرزوق شاعر کا انتقال ہو گیا۔ عارفین میں سے ایک شخص

نے اس کو عالم ارواح میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تم پر کیسی گزری اور تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرزوق نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد جب فرشتے مجھے لے کر چلے تو میں سخت ڈرا اور شدید خوفزدہ ہو کر کانپنے لگا تب مجھے ایک آواز آئی' اے فرزوق! تجھے تو اسی دن بخش دیا گیا تھا جس دن تو نے اپنے آپ کو بدترین شخص سمجھ لیا تھا۔ جو شخص اپنے آپ کو عاجز بنا لیتا ہے اللہ اس پر مہربان ہو جاتا ہے۔

قبر باعث عبرت :۔ ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری ایک جنازے میں شریک ہوئے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد جب لوگوں نے میت کو قبر میں دفن کر دیا تو حضرت حسن بصریؒ اس قبر پر بیٹھ کر بہت روئے۔ پھر آپ نے وہاں پر موجود لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! سنو! اول و آخر قبر ہے پھر تم اس بات سے کیوں نہیں ڈرتے جب تمہارا اول و آخر یہی ہے تو پھر اے غفلت میں پڑے ہوئے لوگو! اول و آخر کو ٹھیک کر لو! حضرت حسن بصریؒ کا یہ وعظ فرمانا تھا کہ بہت سے لوگ اپنی خطاؤں کو یاد کر کے زار و قطار روئے اور بارگاہ رب العزت میں سچے دل سے توبہ کر کے نیک اعمال پر عمل پیرا ہو گئے۔

حکمت کی باتیں :۔

سعید بن ابی مروان کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ وعظ فرما رہے تھے اسی اثناء میں حجاج بن یوسف اپنے ایک خادم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور ایک مقام پر کھڑے ہو کر اس نے دیکھا کہ حضرت حسن بصریؒ کے گرد لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہے چنانچہ وہ حضرت حسن بصریؒ کی جانب چل دیا۔ جب آپ نے حجاج کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اپنی جگہ چھوڑ دی' اس طرح حجاج اس چھوڑی ہوئی جگہ پر یعنی میرے اور حضرت حسن بصریؒ کے درمیان بیٹھ گیا۔

حضرت حسن بصریؒ نے حجاج کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائی اور اسی طرح وعظ فرماتے رہے جیسا کہ ہر روز فرماتے تھے۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج حضرت حسن بصریؒ پہلے کی طرح ہوں گے

حجاج کے مجلس میں بیٹھ جانے سے کچھ زیادہ ہی گفتگو کریں گے جس سے پتہ چلے کہ حجاج کا تقرب حاصل ہے یا ہوسکتا ہے کہ اس کے ڈر سے وعظ مختصر کردیں۔

حضرت سعید فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ نے باقی دنوں کی طرح ایک جیسا ہی وعظ کیا اور وقت مقررہ پر ہی ختم کیا اور قطعی طور پر اس بات کی پرواہ نہ کی کہ حجاج پاس بیٹھا ہوا ہے۔ جب آپ وعظ سے فارغ ہوئے تو حجاج نے اپنا ہاتھ اٹھا کر آپ کے کندھے پر مارتے ہوئے کہا شیخ نے سچ کہا اور خوب کہا۔

لوگو! ایسی ہی مجالس میں بیٹھا کرو اور جو کچھ وہاں پر سنو اس کو اپنی عادت بنالو مجھے یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ حضور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک ذکر کی مجالس جنت کے باغات ہیں اور ہم لوگ دنیا کے انتظام میں مبتلا ہو گئے ورنہ ان مجالس میں ہم سے زیادہ تم نہ بیٹھتے اس لئے کہ ہم ان مجالس کی خوبیاں زیادہ جانتے ہیں۔

اس کے بعد حجاج نے مسکراتے ہوئے ایسا خطاب کیا کہ حضرت حسن بصریؒ اور تمام حاضرین مجلس اس کی فصاحت و بلاغت سے حیران ہوئے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چل دیا۔ اسی اثناء میں شام کا ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کے پاس آیا اور اسی جگہ پر جہاں پر کہ حجاج بیٹھا تھا کھڑا ہو کر کہنے لگا' اے مسلمانو! اللہ کے بندو! تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک ضعیف آدمی ہوں اور جہاد کرتا ہوں گھوڑا خچر اور خیمہ کی مجھے تنگی ہے اور میرے پاس تین سو درہم ہیں جو مجھے لوگوں نے دیئے ہیں اور میری سات بیٹیاں ہیں۔ غرضیکہ اس بوڑھے نے اپنی غربت کی شکایت کی۔

حضرت حسن بصریؒ اور وہاں پر موجود تمام لوگوں کو اس پر ترس آیا' حضرت حسن بصریؒ اپنا سر نیچے جھکائے اس کی بات غور سے سن رہے تھے جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس امراء سے سمجھے' ان لوگوں نے اللہ کے بندوں کو اپنا غلام خیال کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنا مال سمجھ لیا ہے۔ لوگوں سے دینار و درہم کی خاطر لڑتے ہیں۔ جب دشمن خدا خود جہاد پر جاتے

ہیں تو خود چمکتے خیموں میں قیام کرتے ہیں اور تیز سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی کو جہاد پر روانہ کرتے ہیں تو بھوکا پیاسا پیدل ہی روانہ کر دیتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ نے کھری کھری باتیں سلاطین اسلام کے بارے میں کیں۔ اسی مجلس میں سے اہل شام کا ایک شخص اٹھا اور سیدھا حجاج کے پاس گیا اور حجاج سے آپ کی چغلی کر دی اور جس طرح آپ نے بیان کیا تھا بالکل اسی طرح حجاج سے کہہ دیا۔

چنانچہ کچھ دیر کے بعد حجاج کی طرف سے ایک آدمی آیا اور آپ سے کہا کہ آپ کو حجاج نے بلایا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس کے ساتھ چل دیئے۔ ہمیں خطرہ پیدا ہوا کہ دیکھتے ہیں ان کھری کھری باتوں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ مسکراتے ہوئے واپس تشریف لے آئے، میں نے آپ کو بہت کم ہنستے ہوئے دیکھا آپ کی عادت ہمیشہ سے ہی مسکرانے کی تھی چنانچہ واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

آپ نے امانت کی عظمت کے بارے میں بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے میں بھی امانت ہے۔ شاید تم یہ خیال کرتے ہو گے کہ خیانت سوائے درہم و دینار کے اور کسی شے میں نہیں ہے حالانکہ سب سے بری خیانت یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے پاس بیٹھو اور ہم تم پر اعتبار کر کے کچھ باتیں کریں پھر تم اس کو ایک آگ کے شعلہ کے پاس جا کر بیان کر دو۔ میرے ساتھ یہ ہوا کہ جب میں اس شخص (حجاج) کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنی زبان کو سنبھال کر رکھیں آپ نے یہ جو الفاظ کہے ہیں کہ دشمن خدا خود جہاد پر جاتا ہے تو ایسا اہتمام کراتا ہے اور جب دوسرے کو جہاد پر روانہ کرتا ہے تو اس طرح کرتا ہے، ویسی باتیں نہ کرو، ہمیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے کہ تم لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاؤ اور نہ ہم اس بات سے آپ کی نصیحت کو لغو جانیں لیکن آپ کو اس طرح کی گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دور کیا۔

مصیبت سے بچو :۔ جب یزید بن عبدالملک دمشق میں مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عراق وخراسان پر عمر بن ہبیرہ کو گورنر بنا کر بھیجا عمر بن ہبیرہ نے اپنے دربار میں حضرت حسن بصریؒ امام محمد بن سیرین اور امام شعبی کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یزید بن عبدالمالک کو اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور مجھے خلیفہ نے گورنری کے منصب پر فائز کیا ہے لہٰذا مجھے جو بھی حکم خلیفہ کی طرف سے ملتا ہے میں بغیر حیل و حجت کے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔

آپ حضرات کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ گورنر عمر بن ہبیرہ کی اس سیاسی گفتگو کو سن کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ گویا ہوئے اور جرات و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' اے ابن ہبیرہ تم یزید بن عبدالملک کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک سے نہ ڈرو' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے لیکن یزید بن عبدالملک تجھے اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے ہرگز نہیں بچا سکتا۔

یادرکھو وہ قہار و جبار جلد ہی تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تیرے اس عالی شان محل اور خوبصورت تخت سے تجھے ایک ہی لمحہ میں اندھیری' تاریک اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا وہاں پر تجھے سوائے تیرے اعمال کے کوئی کام نہیں دے گا۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم کو نہ مان کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری قطعی طور پر روا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی اس جرات مندانہ تقریر کو سن کر گورنر عمر بن ہبیرہ پر سکتہ طاری ہو گیا حیرت کے مارے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اس کے بعد تینوں بزرگ شخصیات گورنر کے دربار سے واپس اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ایک عورت کی اصلاح :۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے حکایت بیان کی کہ بنی اسرائیل میں ایک عزت فروش ملکہ نامی عورت تھی جس کے حصہ میں حسن کا تہائی حصہ آیا تھا۔ اپنے پاس آنے کے لئے لوگوں سے کم از کم سو دینار

وصول کرتی تھی۔ ایک عابد نے اس کو دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا چنانچہ کسی طرح محنت مزدوری کر کے سو دینار جمع کیئے اور اس کے پاس آ گیا اس عورت کے پاس سونے کا ایک تخت تھا جس پر وہ بیٹھتی تھی عابد نے کہا مجھے تیرا حسن پسند آ گیا تھا اس لئے میں نے بڑی محنت سے سو دینار اکٹھے کیئے اور یہاں آیا ہوں۔ فاحشہ عورت نے عابد کو بھی اپنے ساتھ تخت زریں پر بٹھایا۔ عابد کو اس وقت اچانک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا یاد آ گیا اور اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگا اور بولا مجھے جانے دو اور یہ دینار تم لے لو کیوں کہ میں یہ تمہارے لئے لے کر آیا ہوں مگر عورت کہنے لگی کہ یکدم آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم تو یہ کہتے تھے میرا حسن تمہیں پسند آ گیا ہے اور اب بھاگ رہے ہو عابد کہنے لگا کہ تمہارے تخت پر بیٹھنے سے مجھے قیامت کا منظر یاد آ گیا ہے اور میں قیامت کے دن اللہ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈر گیا ہوں تو اب میرے لئے تم کوئی پسندیدہ نہیں رہی ہو یعنی میری سوچ بدل گئی ہے مگر عورت کہنے لگی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو میں اب تمہارے سوا کسی کو شوہر نہیں بناؤں گی مگر عابد کا دل نہ مانا اور وہ مسلسل کہتا رہا کہ خدا کے لئے اب مجھے یہاں سے جانے دو آخر عورت بولی کہ ٹھیک ہے جاؤ مگر مجھ سے نکاح کا وعدہ کرتے جاؤ پھر عابد نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو وہ ہوگا اور پھر سر پر چادر اوڑھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

عورت نے بھی اپنی بدکرداری اور عزت فروشی سے توبہ کی اور اس کی تلاش میں چل نکلی۔ عابد کے شہر میں پہنچ کر اسے تلاش کیا اور کسی طرح اسے خبر بھجوائی کہ ملکہ تم سے ملنے آئی ہے۔ عابد نے جب یہ سنا تو چیخ مار کر گرا اور جان دے دی عابد کی موت کے بعد ملکہ بہت مایوس ہوئی پوچھا اس کا کوئی قرابت دار ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اس عابد کا ایک بھائی ہے وہ بھی فقیر ہے۔ ملکہ نے عابد کی محبت میں اس کے بھائی سے نکاح کیا جس سے اس کے سات بیٹے پیدا ہوئے اور سب کے سب نیک اور صالح پرہیزگار ہوئے اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے اس حکایت سے یہ بات اخذ کی کہ جو شخص رزق حلال کمائے گا اللہ تعالیٰ اسے برائیوں سے محفوظ رکھے گا۔

اسلام، تعلیم اور مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی صورت حال

مولانا حافظ محمد شرف الدین نظامی

اسلام سے پہلے مختلف قوموں میں عورتوں کو میراث نہیں ملتی تھی، ان کا خیال تھا کہ جو لوگ دشمن سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں اور قوم کی حفاظت اور مدافعت کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں، انھیں کو میراث پانے اور خاندان کی املاک میں حصہ دار بننے کا بھی حق حاصل ہے، غرض جسمانی طاقت اور مقابلہ کی قوت کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اسی کو قوموں کی سر بلندی کا راز اور غلبہ و اقتدار کا وسیلہ تصور کیا جاتا تھا اور بڑی حد تک زمانہ کے حالات کے لحاظ سے یہ بات درست بھی تھی؛ لیکن آج حالات تبدیل ہو چکے ہیں اور اب قوموں کی تقدیر میدانِ جنگ کی للکار اور شمشیر و آہن کی جھنکار کے بجائے علم و تحقیق کے مراکز اور دانش گاہوں سے متعلق ہوگئی ہے۔

جو قوم علم وفن سے عاری اور فکر و دانش سے محروم ہو، خواہ وہ کتنی ہی بڑی تعداد رکھتی ہو؛ لیکن اس کی حیثیت مٹی کے ڈھیر کی ہے، جو ہمیشہ پاو?ں تلے روندی اور قدموں کے نیچے بچھائی جاتا ہے، اس کی ایک کھلی ہوئی مثال جاپان اور خود ہمارا ملک ہندوستان ہے، ہم آبادی کے اعتبار سے دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت ہیں اور ہمارے ملک کا رقبہ بھی کچھ کم نہیں، قدرتی وسائل جتنے اس ملک کو میسر ہیں، کم ہی اس کی مثال ملے گی، جاپان آبادی کے اعتبار سے بھی اور رقبہ کے اعتبار سے بھی ہم سے بہت چھوٹا ملک ہے، قدرتی وسائل میں بھی وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا؛ لیکن آج کو ہم کو جاپان کے سامنے دست سوال پھیلانا اور کشکولِ گدائی بڑھانا پڑتا ہے، یہ صورت حال محض علم و دانش کی طاقت کا ادنی کرشمہ ہے!

اسلام وہ مذہب ہے جس نے اپنی آمد کے اول دن سے علم پر زور دیا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ جس سماج میں پیدا ہوئے اور نبوت سے سرفراز کئے گئے، اس میں کیا کچھ برائیاں اور کوتاہیاں نہیں تھیں؟ شرک عام تھا، سینکڑوں دیویوں اور دیوتاو ?ں کی پوجا ہوتی تھی، طاقت کی حکمرانی تھی، نہ جان محفوظ تھی اور نہ مال اور نہ عزت و آبرو، بے حیائی اور بے شرمی کی کوئی بات نہیں تھی جو سماج میں نہ پائی جاتی ہو، بظاہر خیال ہوتا ہے کہ ان حالات میں انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کا پہلا پیغام توحید خداوندی کی دعوت اور شرک و بت پرستی کی تردید کا آنا چاہئے تھا، کہ اسلام کی پوری تعلیم کا لب لباب اور خلاصہ یہی خدا کی

وحدانیت کا تصور ہے، یا پھر پہلی وحی ظلم و جور کی مذمت اور عدل وانصاف کی ترغیب کی بابت ہونی چاہئے تھی؛ کیوں کہ انسان سب سے زیادہ ضرورت مند ایسے سماج کا ہوتا ہے جو پُر امن ہو، ظلم و زیادتی سے محفوظ ہو اور بقاء باہم کے اُصول پر قائم ہو؛ لیکن غور فرمائیے کہ آپ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں صراحتاً ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں؛ بلکہ فرمایا گیا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھئے جو تمام کائنات کا خالق ہے، یعنی سب سے پہلے پیغمبر کے ذریعہ انسانیت کو جس بات کی دعوت دی گئی وہ ''تعلیم'' ہے؛ کیوں کہ علم ایسا سرچشمہ ہے، جس سے تمام بھلائیاں پھوٹتی ہے اور تمام مفاسد کا مداوا ہوتا ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم روشنی ہے: ''العلم نور''۔

اگر کوئی مکان اندھیرا ہو تو اس میں چور اور ڈاکو کا داخل ہونا بھی آسان ہوتا ہے اور وہ سانپ کیڑوں کی بھی آماجگاہ بن جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک کا مقابلہ الگ الگ دشوار ہے؛ لیکن چراغ جلا دیا جائے اور مکان روشن ہو جائے، تو نہ چور اور ڈاکو کو گھر میں آنے کا حوصلہ ہوگا، نہ سانپ کیڑے اس مکان کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے، علم کو روشنی کہہ کر آپ ﷺ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ہر برائی کو الگ الگ دور کرنا اور ان کا علاحدہ علاحدہ مقابلہ کرنا آسان نہیں؛ لیکن تمام برائیوں اور مفاسد کا اصل سرچشمہ جہالت اور علم سے محرومی ہے، کسی سماج میں جب علم کی روشنی آجائے، تو خود بخود سماج کی برائیاں دُور ہوں گی اور علم و دانش کی آگ ان کو پھونک کر رکھ دے گی۔

رسول اللہ ﷺ کو اس کا اتنا پاس و لحاظ تھا کہ مکہ میں ہر طرح کی دشواری کے باوجود آپ ﷺ نے ''دارِ ارقم'' کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا اور اول دن سے اپنے رفقاء کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ رہے، مکہ کا جو لٹا پٹا قافلہ مدینہ آیا اس میں سینکڑوں بے گھر و در تھے، خود آپ ﷺ کو کوئی ذاتی مکان میسر نہیں تھا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں مہمان تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے نہ اپنے لئے گھر کی فکر کی اور نہ اپنے ان ساتھیوں کے لئے، جو مستقل اقامت گاہ سے محروم تھے۔

بلکہ سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے ایک عبادت گاہ اور دینی مرکز کی حیثیت سے ''مسجد نبوی'' کی تعمیر فرمائی اور پہلی باضابطہ درسگاہ ایک چبوترہ کی شکل میں قائم کی، جسے ''صفہ'' کہا جاتا تھا، یہی چھوٹی سی جگہ جزیرۃ العرب کے کونے کونے سے آنے والے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز تھی اور خود رسول اللہ ﷺ اس کے منتظم اور استاذ تھے، حضور ﷺ کا یہ عمل ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان گھر بار اور دوسرے اسبابِ آسائش سے بڑھ کر اپنے بچوں کی تعلیم پر اولین توجہ دیں کہ جو قوم اپنا گھر پھونک کر علم کا چراغ جلانا نہ جانتی ہو، سربلندی و درخشانی کبھی اس

قوم کے حصہ میں نہیں آسکتی۔

اگر تاریخ کے عجوبہ اور حیرت انگیز واقعات کو جمع کیا جائے تو اس میں ایک یہ بھی ہوگا کہ غزوہ بدر میں ستر اہل مکہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار کئے گئے۔اس وقت مسلمان سخت معاشی مشکلات سے گزر رہے تھے، نہ ان کو معقول غذا میسر تھی، نہ ضرورت کے مطابق لباس تھا اور نہ مناسب رہائش گاہ، اور تو اور خود آپ ﷺ کے یہاں ہفتوں چولہا سلگنے کی نوبت نہ آتی تھی، اس عہد میں شاید ہی کوئی مسلمان گھر ہو جو فاقہ مستی کی لذت سے نا آشنارہ گیا ہو، یہ موقع تھا کہ آپ ﷺ فدیہ کے طور پر اہل مکہ سے زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کر لیتے اور مدینہ کی معیشت کو سہارا دیتے۔

لیکن آپ ﷺ نے ان اسیرانِ بدر کا فدیہ یہ بھی مقرر کیا کہ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، آپ ﷺ کے اس عمل میں اُمت کے لئے اُسوہ ہے کہ گو ہمیں بھوکے رہنا پڑے، ہماری کروٹیں فاقوں سے بے سکون ہوں اور دنیا کے اسبابِ راحت ہمیں کم سے کم میسر ہوں؛ لیکن ہر قیمت پر ہم اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کو اولیت دیں اور تعلیم سے محروم کر کے ہم ان کے اور پوری قوم کے مستقبل کو ضائع نہ ہونے دیں، آپ ﷺ کے اس عمل سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام نے تعلیم میں کسی تنگ ذہنی اور تعصب کو راہ نہیں دی ہے، علم کا حصول بہر حال ایک نعمت ہے چاہے وہ غیر مسلموں سے حاصل ہو؛ بلکہ ان لوگوں سے حاصل ہو جن سے ہماری زندگی کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہے، بشرطیکہ ان سے ہمارے ایمان وعقیدہ اور ہماری مذہبی قدروں کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

اسلام کسی بھی ایسے علم کا مخالف نہیں جو انسانیت کے لئے نافع ہو، نہ وہ کسی زبان کا مخالف ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض رفقاء کو عربی زبان کے علاوہ بعض دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ تمام ہی زبانیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں، علم نافع کو آپ ﷺ نے بہترین عبادت قرار دیا ہے، (مجمع الزوائد: ۱ ؟۱۲۰) اور علم کے حصول کو ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ مقرر فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی موت کے بعد بھی تین چیزوں کا اجرا سے پہنچتا رہتا ہے، من جملہ ان کے ایک ایسا علم ہے جس سے اس کے بعد بھی لوگوں کو نفع پہنچتا رہے۔

افسوس کہ جس اُمت کو سب سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی اور اس کے ہاتھوں میں قلم تھمایا گیا، وہی ہے کہ آج جہالت و ناخواندگی اور تعلیم سے محرومی اس کے لئے وجہِ امتیاز بنی ہوئی ہے اور دبی کچلی قومیں بھی اس میدان میں اسے پیچھے چھوڑ چکی ہیں، ایک ایسی قوم کے لئے جس نے سینکڑوں سال تک اس ملک کے طول و عرض پر حکومت کی ہے اور آج بھی اس ملک کا کوئی خطہ نہیں جہاں اس کی فرماں روائی اور عظمتِ رفتہ کے انمٹ اور قلب ونگاہ کو محوِ حیرت کر دینے والا نقوش موجود نہ ہوں، مگر عظمتِ رفتہ کے یہ نقوش آج ہمیں منہ چڑاتے ہیں اور زبانِ حال سے ہم پر قہقہہ زن ہیں کہ یہ کیسی قوم ہے کہ جس کے حال کو اس کے ماضی سے کوئی رشتہ نہیں؟؟

اس ذلت اور پستی سے نکلنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ مسلم محلوں اور آبادیوں کے گلی کوچوں میں تعلیم کی ایسی ہی تحریک چلائی جائے جیسے الیکشن میں اُمیدوار ووٹوں کی بھیک مانگتا ہے، مسلمان پوری قوم کو اپنا خاندان و کنبہ تصور کریں، وہ اپنے بچوں کی تعلیم پر بھی توجہ کریں اور اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی طالب علم پڑھتے پڑھتے رُک گیا ہو، معاشی ناہمواری نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم تھام لئے ہوں، یا وہ نفسیاتی کم حوصلگی کا شکار ہو گیا ہو، ایسے بچوں کا حوصلہ بڑھائیں اور اجتماعی طور پر سماج کے ایسے بچوں کی تعلیمی کفالت قبول کریں، ایسی درسگاہیں قائم کریں جس کا نصب العین قوم کی خدمت ہو، جو تعلیم کو تجارت اور روپیوں کا ٹکسال نہ سمجھتے ہوں؛ بلکہ پوری اُمت کو ایک خاندان سمجھ کر ان کی خدمت کے لئے میدانِ عمل میں اُترے ہوں، جن کو ہوٹلوں اور معمولی کارخانوں میں کمسن مسلمان بچوں کا برتن دھونا اور جھاڑو دینا تڑپا دیتا ہو، جن کے چہرے بشرے سے ذہانت ہویدا ہے اور جن کی آنکھیں ان کی اندرونی ذکاوت وفراست کی چغلی کھاتی ہیں۔

جب تک قوم کے سربرآوردہ لوگوں میں پوری قوم کے لئے درد اور کسک پیدا نہ ہو، مسلمانوں کی پست حالی ان کی کروٹوں کو بے سکون اور ان کی آنکھوں کو بے آرام نہ کر دے، مسلم تعلیمی ادارے مکان کی تعمیر کے بجائے انسان کی تعمیر کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو تعلیم و تعلّم کو تجارت کے بجائے عبادت کا درجہ دینے آمادہ نہ ہوں اور پوری قوم میں یہ احساس نہ جاگے کہ تعلیم ہی سے ہماری تقدیر وابستہ ہے، یہ ہماری شہِ رگ ہے اور اس سے محرومی کے بعد کسی قوم کے لئے باعزت طور پر زندہ رہنا ناممکن ہے، تب تک ہمارا خوابیدہ نصیب جاگ نہیں سکتا اور ہم روٹھے ہوئے ماضی کو منا کر واپس نہیں لا سکتے!

اورنگ زیب عالمگیرؒ۔سچائی اور پروپیگنڈہ

کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک کا سنہرا دور مغلوں کی حکمرانی کا دور تھا، آج ملک میں جتنی یاد گار عمارتیں ہیں، جن کو دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں، اور ان کی بدولت کثیر زر مبادلہ حاصل ہوتا ہے، وہ زیادہ تر مغلوں کی ہی تعمیر کردہ ہے، دنیا کے سات عجائب میں سے ایک ''تاج محل'' ہندوستان کی سرزمین میں واقع ہے، جو بجا طور پر ہمارے لئے باعث افتخار ہے، یہ مغلوں ہی کی دین ہے، مگر افسوس کہ انسان کی فطرت میں احسان فراموشی ہے، یہ احسان فراموشی اس وقت بہت تکلیف دہ ہوجاتی ہے، جب پڑھے لکھے، اور دانشور کہلائے جانے والے لوگ اس کے مرتکب ہوں، اس کی بدترین مثال یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو نیا نصاب تعلیم بن رہا ہے، اول تو اس میں تاریخ کے مضمون سے پورے مغل دور کو نکال دیا گیا ہے، مزید ستم یہ ہے کہ بابر کے خلاف تو لکھا ہی گیا ہے، اکبر اور اورنگ زیب، جس نے اس ملک کو سب سے زیادہ وسعت عطا کی، اس پر بھی تہمت باندھی گئی ہے، اور کسی ٹھوس تاریخی ثبوت کے بغیر صرف پروپیگنڈے کی بنیاد پر ایک تاریخی حقیقت کے طور پر اس کو بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان پر جن مسلم خاندانوں نے حکومت کی ہے، ان میں غالباً سب سے طویل عرصہ مغلوں کے حصہ میں آیا ہے، جو ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء یعنی تقریباً ساڑھے تین سو سال کے عرصہ پر محیط ہے، اس دوران اگرچہ ہمیشہ پورے ملک پر مغلوں کو دورِ اقتدار حاصل نہیں رہا اور بہت سے علاقے ان کے قبضہ میں آتے اور جاتے رہے؛ لیکن تقریباً اس پورے عرصہ میں وہ قوتِ اقتدار کی علامت بنے رہے۔

اس خاندان کا چھٹا فرمانروا اورنگ زیب عالمگیرؒ تھا،

عالمگیر۱۶۱۸ء میں ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۷۰۷ء میں وفات پائی، گویا پورے نوے سال کی طویل عمر پائی، پھر اس کی خوش قسمتی ہے کہ ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۷۰۷ء تک یعنی تقریباً پچاس سال اس نے حکومت کی اور اس کے عہد میں ہندوستان کا رقبہ جتنا وسیع ہوا، اتنا وسیع نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد، یعنی موجودہ افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش کی آخری سرحدوں اور لداخ و تبت سے لے کر جنوب میں کیرالہ تک وسیع و عریض سلطنت کا قیام اسی بادشاہ کی دَین ہے۔

اس کی اخلاقی خوبیوں پر تمام مورخین یہاں تک کہ اس کے مخالفین بھی متفق ہیں کہ یہ تخت شاہی پر بیٹھنے والا ایک درویش تھا، جو قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنی موت کے وقت وصیت کی کہ اسی آمدنی سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے، ایسے زاہد، درویش صفت، قناعت پسند اور عیش و عشرت سے دُور بادشاہ کی نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخِ عالم میں کم ہی مثالیں مل پائیں گی، یہ تو اس کی ذاتی زندگی کے اوصاف ہیں، اس کے علاوہ اورنگ زیبؒ نے اپنے عہد میں غیر معمولی اصلاحات بھی کیں، ترقیاتی کام کئے، نامنصفانہ احکام کو ختم کیا، اور سرکاری خزانوں کو عوام پر خرچ کرنے اور رفاہی کاموں کو انجام دینے کی تدبیر کی، اس سلسلہ میں چند نکات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) اب تک عوام پر بہت سارے ٹیکس لگائے جاتے تھے، اور یہ صرف مغل حکمرانوں کا ہی طریقہ نہیں تھا؛ بلکہ اس زمانہ میں جو رَاجے رَجواڑے اور ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، وہ بھی اس طرح کے ٹیکس لیا کرتی تھیں، شیواجی تو اپنے مقبوضہ علاقہ میں چوتھ یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کیا کرتے تھے، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے مال گذاری کے علاوہ جو ٹیکس لئے جاتے تھے، جن کی تعداد اَسّی (۸۰) ذکر کی گئی ہے، ان سب کو نامنصفانہ اور کسان مخالف قرار دیتے ہوئے ختم کردیا؛ حالاں کہ اس کی آمدنی کروڑوں ہوتی تھیں، یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر اورنگ

زیبؒ کو ہندو مخالف پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن اس نے متعدد ایسے ٹیکسوں کو معاف کر دیا، جن کا تعلق ہندوؤں سے تھا، جیسے گنگا پوجا ٹیکس، گنگا اشنان ٹیکس اور گنگا میں مُردوں کو بہانے کا ٹیکس۔

(۲) اس نے مال گذاری کا قانون مرتب کیا اور اس کے نظم ونسق کو پختہ بنایا، یہاں تک کہ شاہجہاں کے دور میں ڈھائی کروڑ پونڈ کے قریب سلطنت کی آمدنی تھی، تو وہ عالمگیر کے دور میں چار کروڑ پونڈ کے قریب پہنچ گئی۔

(۳) حکومتوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عہدہ دار کا انتقال ہوجاتا تو اس کی ساری جائداد ضبط کرلی جاتی اور حکومت کے خزانہ میں داخل ہوجاتی، آج بھی بعض مغربی ملکوں میں ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کے بغیر دنیا سے گزر جائے تو اس کا پورا ترکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے، عالمگیر نے اس طریقہ کو ختم کیا؛ تاکہ عہدہ دار کے وارثوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

(۴) اس نے اس بات کی کوشش کی کہ مظلوموں کے لئے انصاف کا حاصل ہونا آسان ہوجائے، وہ روزانہ دو تین بار دربار عام کرتا تھا، یہاں حاضری میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، ہر چھوٹا بڑا، غریب و امیر، مسلمان و غیر مسلم، بے تکلف اپنی فریاد پیش کرسکتا تھا اور بلا تاخیر اس کو انصاف فراہم کیا جاتا تھا، وہ اپنے خاندان کے لوگوں، شہزادوں اور مقرب عہدہ داروں کے خلاف فیصلہ کرنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیتا تھا؛ لیکن اس کے علاوہ اس نے دُور دراز کے لوگوں کے لئے ۱۰۸۲ھ میں ایک فرمان کے ذریعہ ہر ضلع میں سرکاری نمائندے مقرر کئے کہ اگر لوگوں کو بادشاہ اور حکومت کے خلاف کوئی دعویٰ کرنا ہوتو وہ ان کے سامنے پیش کریں اور ان کی تحقیق کے بعد عوام کے حقوق ادا کر دیں۔

(۵) عالمگیر کا ایک بڑا کارنامہ حکومت کی باخبری کے لئے واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کا نظام تھا، جس کے ذریعہ ملک کے کونے کونے سے بادشاہ کے پاس اطلاعات آتی رہتی تھیں، اور حکومت تمام حالات سے باخبر رہ کر مناسب قدم اُٹھاتی تھی، اس نظام کے ذریعہ ملک کا تحفظ بھی ہوتا تھا، عوام

کو بروقت مدد بھی پہنچائی جاتی تھی، اور عہدہ داروں کی ان کی غلطیوں پر سرزنش بھی کی جاتی تھی، اس کا سب سے بڑا فائدہ رشوت ستانی کے سدباب کی شکل میں سامنے آیا۔

عام طور پر حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو رشوت 'گفٹ' کے نام پر دی جاتی ہے، یہ نام کرپشن کے لئے ایک پردہ کا کام کرتا ہے، اُس زمانہ میں یہ رقم نذرانہ کے نام سے دی جاتی تھی، جو بادشاہوں کو حکومت کے عہدہ داران اور اصحابِ ثروت کی جانب سے اور عہدہ داروں کو ان کے زیر اثر رعایا کی جانب سے ملا کرتی تھی، اورنگ زیبؒ نے ہر طرح کے نذرانہ پر پابندی لگادی، خاص کر نوروز کے جشن پر تمام امراء بادشاہ کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، اورنگ زیبؒ نے اپنی حکومت کے اکیسویں سال اس جشن ہی کو موقوف کردیا اور فرمان جاری کردیا کہ خود اس کو کسی قسم کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے۔

(۶) عام طور پر جہاں بھی شخصی حکومتیں رہی ہیں، وہاں عوام کو اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رکھنے کے لئے بادشاہ کے بارے میں مبالغہ آمیز تصورات کا اسیر بنایا جاتا ہے، اسی لئے تیمور لنگ کہا کرتا تھا کہ جیسے آسمان پر خدا ہے، زمین میں وہی درجہ ایک بادشاہ کا ہے، اسی لئے مغلوں کے یہاں بھی ہندوانہ طریقہ کے مطابق ایک طرح کی باشاہ پرستی مروج رہی ہے، اکبر کے یہاں تو بادشاہ کا دیدار اور سجدہ کرنا ایک عبادت تھا اور ہر دن بے شمار لوگ یہ عبادت بجالاتے تھے، جہانگیر نے سجدہ ختم کیا؛ لیکن زمین بوسی باقی رہی، عالمگیر نے جھروکا درشن بالکلیہ ختم کردیا، جس میں لوگ صبح کو بطور عبادت بادشاہ کا دیدار کرتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے نہیں تھے؛ البتہ اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس کی درخواست رسی میں باندھ کر اوپر بادشاہ کے پاس پہنچادی جائے۔

(۷) عموماً حکمرانوں کی شاہ خرچی اور حکمرانوں کے چونچلے غریب عوام کی کمر توڑ دیتے ہیں، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ایسے تکلفات کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، جیسا کہ گذرا، شاہی

نذرانوں کو بند کیا، دربارشاہی میں بادشاہوں کی تعریف کرنے والے شعراء ہوا کرتے تھے اوران پر ایک ذمہ دار ہوا کرتا تھا، جو 'ملک الشعراءٔ کہلاتا تھا، اورنگ زیبؒ نے اس شعبہ کو ختم کردیا، وہ اپنی شان میں کسی بڑائی اور مبالغہ آمیز شاعری کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے، بادشاہ کا دل بہلانے کے لئے دربارشاہی میں گانے بجانے کا خصوصی انتظام ہوتا تھا،قوال اور رقاصائیں گاکر اور ناچ کر بادشاہ کا دل خوش کرتی تھیں اوران پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی جاتی تھیں، عالمگیر نے اس سلسلہ کو بھی موقوف کردیا، بادشاہ کے لکھنے کے لئے سونے اورچاندی کی دواتیں رکھی جاتی تھیں، عالمگیر نے اس کی بجائے چینی کی دواتیں رکھنے کی تلقین کی ،انعام کی رقمیں چاندی کے بڑے طشت میں لائی جاتی تھیں، اس طشت کی رسم کو بھی اورنگ زیبؒ نے موقوف کردیا، عام طور پر بادشاہوں کی جیب خرچ کے لئے کروڑوں روپے کی آمدنی مخصوص کردی جاتی تھی، آج بھی جمہوری ملکوں میں سربراہ حکومت کے لئے رہائش، سفر اورضروریات وغیرہ پر جو رقمیں صرف کی جاتی ہیں اور رہائش کے لئے جو وسیع مکان اور اعلیٰ درجہ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے، وہ گذشتہ بادشاہوں کی شاہ خرچی کو بھی شرمندہ کرتی ہیں؛ لیکن اورنگ زیب نے اپنے لئے نہ کوئی عظیم الشان محل تعمیر کرایا، نہ اپنی تفریح کے لئے کوئی باغ بنوایا، اور اپنے مصارف کے لئے بھی محض چند گاؤں کو اپنی حصہ میں رکھا اور بقیہ سارے مصارف کوحکومت کےخزانہ میں شامل کردیا۔

(۸)اس نےتعلیم کی ترقی پرخصوصی توجہ دی، ہرشہر اور ہر قصبہ میں اساتذہ مقرر ہوئے، نہ صرف اساتذہ کے لئے وظائف مقرر کئے گئے اور جاگیریں دی گئیں؛ بلکہ طلبہ کےاخراجات اور مدد معاش کے لئے بھی حکومت کی طرف سے سہولتیں فراہم کی گئیں، کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے زیادہ تر فرامین تعلیم ہی سے متعلق ہیں، جن کو ان کےبعض تذکرہ نگاروں نےنقل بھی کیا ہے۔

(۹)اس زمانہ میں صنعت وحرفت کوآج کی طرح

ترقی نہیں ہوئی تھی اور معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھی، اورنگ زیبؒ نے زرعی ترقی پر خصوصی توجہ دی، کسانوں کی حوصلہ افزائی کی، جن کسانوں کے پاس کاشتکاری کے لئے پیسہ نہیں ہوتا، ان کو سرکاری خزانوں سے پیسہ فراہم کئے جاتے، حسبِ ضرورت کسانوں سے مال گذاری معاف کی گئی، جو زمینیں اُفتادہ تھیں اور ان میں کاشت نہیں کی جاتی تھی، ان کو ایسے کسانوں کے حوالہ کیا گیا، جو اُن کو آباد کرنے کے لئے آمادہ تھے، اپنے عہدہ داروں کو ہدایت کی کہ کسانوں کو اتنا ہی لگان لگایا جائے، جتنا وہ بآسانی ادا کرسکیں اور بخوشی ادا کرسکیں، اگر وہ نقد کے بجائے جنس دینا چاہیں تو قبول کرلیا جائے،۔

انھوں نے کسانوں کے لئے کنواں کھودوانے، قدیم کنوؤں کو درست کرانے اور آبِ پاشی کے وسائل کو بہتر بنانے کو حکومت کی ایک ذمہ داری قرار دیا، انھوں نے زمین کے سروے کرنے پر خصوصی توجہ کی؛ تاکہ معلوم ہو کہ کونسی اراضی اُفتادہ ہیں اور اُن کو قابل کاشت بنانے کی کیا صورت ہے، انھوں نے اپنے فرمان میں لکھا ہے:

’’بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ زراعت ترقی کرے، اس ملک کی رزعی پیداوار بڑھے، کاشتکار خوشحال ہوں اور عام رعایا کو فراغت نصیب ہو، جو خدا کی طرف سے امانت کے طور پر ایک بادشاہ کو سونپی گئی ہے‘‘۔

زرعی پیداوار کی طرف اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ عالمگیرؒ کے دور میں فتح ہونے والے بہت سے علاقے ایسے تھے، جہاں کے اخراجات وہاں کی آمدنی سے زیادہ تھے؛ لیکن پھر بھی کہیں غذائی اشیاء کی قلت محسوس نہیں کی گئی، اگر یہ صورتِ حال نہیں ہوتی تو اتنے طویل وعریض رقبہ پر پچاس سال تک اورنگ زیب حکومت نہیں کر پاتے اور عوام کی بغاوت کے نتیجہ میں مملکت پارہ پارہ ہوجاتی۔

(۱۰) اورنگ زیبؒ کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اصلاح بھی ہے، اس نے بھنگ کی کاشت پر پابندی لگائی، شراب و جوئے کی ممانعت کردی، قحبہ گری کو روکا اور فاحشہ عورتوں کو شادی کرنے پر مجبور کیا، لونڈی، غلام بنا کر رکھنے، یا خواجہ سرا

رکھنے پر پابندی لگائی۔

(۱۱) ہندو سماج میں عرصہ دراز سے ستی کا طریقہ مروج تھا، جس کے تحت شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کردی جاتی تھی، ہندو سماج میں اسے مذہبی عمل سمجھا جاتا تھا، مغلوں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا، غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے، اس لئے اورنگ زیبؒ نے قانونی طور پر اس کو بالکلیہ تو منع نہ کیا؛ لیکن اصلاح اور ذہن سازی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے عہدہ داروں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کو اس رسم سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی خواتین کے ذریعہ بھی ان کو اس کی دعوت دیں، نیز پابندی عائد کردی کہ علاقہ کے صوبہ دار کی اجازت کے بغیر ستی نہ کی جائے؛ تاکہ کسی عورت کو اس عمل پر اس کے میکہ یا سسرال والے، یا سوسائٹی کے دوسرے لوگ مجبور نہ کرسکیں، اس طرح عملاً ستی کا رواج تقریباً ختم ہوگیا۔

غرض کہ اورنگ زیبؒ نے قدیم سڑکوں اور سرایوں کی مرمت، نئی سڑکوں اور مسافر خانوں کی تعمیر، تعلیمی اداروں اور عبادت گاہوں کو جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کے جو رفاہی کام کئے، ان کے علاوہ مختلف دوسرے میدانوں میں جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ بھی آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، اس کی رحمدلی، انصاف پروری اور عفو و درگزر کا ان لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے، جو اس کو ایک خشک مزاج، نارواداراور سخت گیر حکمراں قرار دیتے ہیں، اس نے ہمیشہ اپنے حریفوں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سنی ہوں یا شیعہ، پٹھان ہوں یا مراٹھے وراجپوت، زیادہ سے زیادہ صلح اور درگزر کی پالیسی اختیار کی، خود شیواجی کو جس طرح انھوں نے بار بار معاف کیا اور اس کے بیٹے کو گلے لگایا، یہ اس کی بہترین مثال ہے۔

مگر افسوس کہ انگریزوں نے ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیوار قائم کرنے کی جو منصوبہ بند کوشش کی، اس میں مغلوں کے دورِ حکومت کو عموماً اور آخری پُر شوکت مغل بادشاہ اورنگ زیبؒ (جس کو انگریز اپنے راستہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے) کے بارے میں

خصوصاً بڑی غلط فہمیاں پھیلائیں اور بعض مصنفین نے ان کا آلہ کار بنتے ہوئے ایسی کتابیں تصنیف کیں، جن کو تاریخ اور واقعہ نگاری کے بجائے ناول نگاری اور افسانہ نویسی کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

انھوں نے ایسی بے بنیاد باتیں لکھ دیں جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں، اورنگ زیبؒ کو ایک ہندو دشمن حکمراں کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور اس کے لئے اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ کو بنیاد بنایا گیا؛ حالاں کہ یہ ایک سیاسی جنگ تھی نہ کہ مذہبی، اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ میں اورنگ زیبؒ کا سب سے معتمد کمانڈر ایک راجپوت راجہ جے سنگھ تھا، اس کے علاوہ رائے سنگھ، راجہ سجان سنگھ، کیرت سنگھ، مترسین، اندرا من بندیلہ، راجہ نرسنگھ گوڑ، جگت سنگھ، ستر سنگھ اور راج سنگھ، چتر بھوج چوہان اور بے شمار راجپوت اور مراٹھے سردار اورنگ زیبؒ کے ساتھ تھے اور اس کی فوج میں بھی بڑی تعداد پٹھانوں، راجپوتوں اور شیواجی کے مخالف مراٹھوں کی تھیں۔

اورنگ زیبؒ کے عہد میں جو غیر مسلم حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر رہے ہیں، ان میں کئی مرہٹے ہیں، جن میں شیواجی کے داماد اور بھتیجے بھی شامل ہیں، علامہ شبلیؒ نے ان کا نام بہ نام ذکر کیا ہے، جن کی تعداد ٦٢ ہے، خود شیواجی کو بھی اورنگ زیبؒ نے پنج ہزاری منصب عطا کیا تھا، جو بڑا منصب تھا، اور جس پر بادشاہ کے بعض شہزادے، قریبی رشتہ دار اور معتمد عہدہ دار فائز تھے؛ البتہ شیواجی ہفت ہزاری چاہتے تھے، مگر راجپوت اور پٹھان اعیانِ حکومت اس کے حق میں نہیں تھے۔

دوسری طرف شیواجی کے تعلقات بیجاپور اور جنوبی ہند کی مختلف چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتوں کے حکمرانوں سے تھے اور ان ہی کی درپردہ یا علانیہ تائید وتقویت سے وہ مغلوں پر حملہ کرتے تھے، خود اورنگ زیبؒ کو دیکھئے کہ اس نے اپنے بھائیوں سے بھی جنگ کی، گولکنڈہ کی قطب شاہی مسلم حکومت پر بھی قبضہ کیا، بیجاپور کی مسلمان سلطنت کو بھی اپنی مملکت کا حصہ بنایا اور کتنے چھوٹے بڑے مسلم حکمرانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی نوبت

آئی، نیز خود شیواجی کی فوج میں کثیر تعداد میں مسلمان فوجی شامل رہے، خاص کر جب اورنگ زیبؒ نے دکن میں اپنی فوج میں کسی قدر تخفیف کی تو یہ فوج بھی ٹوٹ کر شیواجی کے ساتھ جا ملی۔

تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ شیواجی جو مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑا کرتے تھے، وہ گاو؟ں کے گاو؟ں لوٹ لیا کرتے تھے، قلعوں کو تخت و تاراج کر دیا کرتے تھے، یہ لوٹ ماران کی مستقل حکمت عملی تھی، اس میں ہندوو؟ں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں ہوا کرتی تھی۔

سورت اس زمانہ میں جنوبی ہند کی سب سے بڑی منڈی تھی، جو بیرونی ممالک سے درآمد و برآمد کا بہت بڑا ذریعہ تھا، یہاں غالب آبادی ہندووں کی تھی، شیواجی موقع بموقع وہاں ایسا حملہ کرتے تھے کہ پورا شہر ویران ہو جاتا تھا، کیا ہندو کیا مسلمان اور کیا ملکی اور کیا غیر ملکی، سب کے سب ان حملوں سے پناہ چاہتے تھے، ان حملوں میں ہندووں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں تھی؛ بلکہ تاجروں کی غالب تعداد ہندووں کی تھی، اس لئے ان کو زیادہ نقصان اُٹھانا پڑتا تھا، یہاں تک کہ شیواجی جن کو مراٹھوں کا نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے، خود مراٹھوں کے خلاف بھی انھوں نے وہی کیا، جو ہر بادشاہ اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے کیا کرتا ہے۔

بیجاپور کے پہلے سلطان نے ایک مراٹھے خاندان کو ’جاولی‘ کا علاقہ عطا کیا، جس نے ایک مضبوط ریاست بنائی اور یہ بتدریج کوکن کے پورے علاقہ پر قابض ہو گیا، اس خاندان کے راجا کا خاندانی لقب چندر راو تھا، شیواجی کا احساس تھا کہ جب تک چندر راو کا قتل نہ کیا جائے اور اس کی سلطنت پر قبضہ نہ ہو جائے، شیواجی جس وسیع سلطنت کا منصوبہ رکھتے ہیں، وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے دھوکہ دے کر اس مرہٹہ راجا کو قتل کیا، اس کے بھائی کو زخمی کیا اور اس کی سلطنت پر قابض ہو گئے، غرض کہ اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی؛ بلکہ ایک سیاسی جنگ تھی، جو حکمرانوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہی ہے، نہ اورنگ زیب نے اسلامی نقطہ نظر سے یہ جنگ لڑی ہے اور نہ شیواجی کا حملہ ہندووں کے

وقار کی حفاظت کے لئے ہوا ہے۔

اورنگ زیبؒ پر ایک الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا ہے اور مندر شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگ زیبؒ کے عہد میں بعض مندر منہدم کئے گئے ہیں؛ لیکن اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غیر جانبدار مورخین نے لکھا ہے کہ اورنگ زیبؒ نے انھیں مندروں کو منہدم کیا تھا، جو غیر قانونی طور پر بنائے گئے تھے، مثلاً اورچھا میں ببر سنگھ دیو کے بنائے ہوئے ایک مندر کو اورنگ زیبؒ نے منہدم کرا دیا۔

لیکن اس لئے کہ ببر سنگھ دیو نے اولاً تو ظالمانہ طور پر ابوالفضل کو قتل کیا اور پھر اسی کے سرمایہ سے وہ مندر بنایا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ مندر منہدم کیا گیا تو وہاں کے راجہ دیوی سنگھ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، یا اس نے ایسے مندروں کو گرایا، جہاں حکومت کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں، یا ایسے مندروں کو جہاں غیر اخلاقی حرکتیں کی جاتی تھیں، جیسے بنارس کا وشوناتھ مندر، ڈاکٹر بی این پانڈے نے اس کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے کہ اورنگ زیبؒ جب بنگال جاتے ہوئے بنارس کے قریب سے گذرے تو اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں اور کمانڈروں نے وہاں ایک دن قیام کی درخواست کی؛ تا کہ ان کی رانیاں گنگا اشنان کر سکیں اور وشوناتھ دیوتا کی پوجا کریں، اورنگ زیبؒ راضی ہو گئے۔

انھوں نے فوج کے ذریعہ حفاظت کا پورا انتظام کیا، رانیاں اشنان سے فارغ ہو کر وشوناتھ مندر روانہ ہوئیں؛ لیکن جب مندروں سے رانیاں واپس ہوئیں تو اس میں بعض موجود نہیں تھیں، کافی تلاش کی گئی، مگر پتہ نہیں چل سکا، بالآخر تحقیق کاروں نے دیوار میں نصب گنیش کی مورتی کو ہلایا، جو اپنی جگہ سے ہلائی جا سکتی تھی تو نیچے سیڑھیاں نظر آئیں، یہ سیڑھیاں ایک تہہ خانہ کی طرف جاتی تھیں، وہاں انھوں نے دیکھا کہ بعض رانیوں کی عصمت ریزی کی جا چکی ہے اور وہ زار و قطار رو رہی ہیں؛ چنانچہ اورنگ زیبؒ کی فوج میں شامل راجپوت کمانڈروں نے اس مندر کو منہدم کر دینے کا مطالبہ کیا، اورنگ

زیبؒ نے حکم دیا کہ مورتی کو پورے احترام کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کردیا جائے اور چوں کہ ایک مقدس مذہبی مقام کو ناپاک کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کو منہدم کردیا جائے اور مہنت کو گرفتار کرکے سزا دی جائے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اکبر کے دور سے صورتِ حال یہ تھی کہ بہت سی مسجدوں کو منہدم کرکے بُت خانے بنادیئے جاتے تھے، ہندو مسلمان عورتوں سے جبراً نکاح کرتے تھے اور انھیں اپنے تصرف میں لاتے تھے، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی، اور خود اورنگ زیبؒ کی حکومت کے بارہویں سال تک یہی صورت حال تھی، ممکن ہے کہ بعض مندروں کے انہدام کا یہی پس منظر ہو، اگر واقعی اورنگ زیبؒ مندر شکن اور بُت شکن ہوتا تو اس کی وسیع سلطنت میں کتنے ہی قدیم اور بڑے بڑے مندر موجود تھے، جو آج بھی برادرانِ وطن کی عقیدت کا مرکز ہیں، کیا آج ان کا وجود ہوتا؟ لیکن بہر حال مذہبی عبادت گاہوں کا انہدام ایک غلطی اور ایک غیر اسلامی فعل ہے؛ لیکن یہ مذہبی جذبہ کے تحت کیا جانے والا عمل نہیں ہے؛ چنانچہ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اورنگ زیبؒ نے جہاں مندر منہدم کئے ہیں، وہیں مسجد بھی منہدم کروائی ہے، کہا جاتا ہے کہ سلطنت گولکنڈہ کے مشہور فرمانروا تانا شاہ نے سالہال سال سے شہنشاہ دہلی کو شاہی محصول ادا نہیں کیا تھا، اس نے اپنی دولت کو چھپانے کے لئے ایک بڑا خزانہ زیر زمین دفن کرکے اس پر جامع مسجد گولکنڈہ تعمیر کرادی، اورنگ زیبؒ کو کسی طرح اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس مسجد کو منہدم کرا دیا، اور اس خزانہ کو رفاہ عام کے کاموں میں صرف کردیا۔

افسوس کہ فرقہ پرست، متعصب اور دروغ گو تذکرہ نگاروں نے اورنگ زیبؒ کی اس سخاوت اور وسیع النظری کا تذکرہ نہیں کیا، جو اس کا اصل مزاج تھا، اس نے مندروں کے ساتھ جس فراخدلی کا ثبوت دیا، اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر بی، این، پانڈے نے چند مندروں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جیسے گوہاٹی کا مندر، جب اورنگ زیبؒ نے آسام کے علاقہ

پر قبضہ کیا تو اس نے نہ صرف اس مندر کی جاگیر کو باقی رکھا؛ بلکہ حکم جاری کیا کہ یہ ہمیشہ کے لئے پجاری کا حق ہے؛ تاکہ اس کی آمدنی وہ اپنے دیوتاوں کے بھوگ کے لئے استعمال کرسکیں اور منہمک ہوکر عبادت کریں اور یہ بھی حکم جاری کیا کہ اس پر کوئی مال گذاری نہیں لی جائے۔

اُجین میں مہا کالیشور مندر واقع ہے، جس میں چوبیس گھنٹے چراغ روشن رہتا ہے، جس کو ’نندادیپ‘ کہتے ہیں، اس چراغ کو روشن رکھنے کے لئے راجاوں کے عہد میں چار سیر گھی دیا جاتا تھا، مغلوں اور خود اورنگ زیبؒ کے دور میں بھی ٹھیک اسی طرح اس کو باقی رکھا گیا، اورنگ زیبؒ نے احمد آباد میں ناگر سیٹھ کو شترنجے اور آبو کی مندروں کی تعمیر کے لئے وسیع اراضی عطا کیں اور اس کے لئے سند بھی جاری کی، ڈاکٹر، بی، این، پانڈے نے اپنی کتاب ”ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین“ میں اورنگ زیبؒ کے چھ فرامین کی فوٹو کاپی اور فارسی متن کے ساتھ ان کا ترجمہ نقل کیا ہے، یہ سب فرامین مندروں، ان کے پجاریوں اور مذہبی پیشواو?ں کی جاگیروں کے سلسلہ میں ہیں، یہ کس قدر ناانصافی کی بات ہے کہ ایسے بادشاہ کے بارے میں آج بالکل یکطرفہ بیانات دیئے جارہے ہیں۔

کاش فرقہ پرست عناصر کبھی اس بات پر بھی غور کرتے کہ خود ہندووں نے کس طرح بودھوں کی خانقاہوں، جینوں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں کو منہدم کیا ہے، خود شیواجی نے ستارہ، پارلی، اور زیر قبضہ آنے والے علاقوں میں مسجدوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ایلورا اور اجنتا میں بودھوں کو یہ کیوں کرنا پڑا کہ اپنی عظیم الشان خانقاہوں کو مٹی سے ڈھانپ دیں؛ تاکہ وہ ہندوو?ں کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں، آج بھی جگن ناتھ مندر ہندووں کی زیادتی کی گواہ بن کر کھڑا ہے، جو دراصل بودھوں کا مندر تھا، اور جس پر زبردستی ہندووں نے قبضہ کرلیا، ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں ہزاروں مسجدیں شہید کردی گئیں، اندراجی کے دور میں سکھوں کی سب سے مقدس عبادت گاہ گولڈن ٹیمپل اور اکال تخت کی اینٹ

سے اینٹ بجادی گئی، گجرات کے۲۰۰۲ء کے فساد میں کتنی ہی مسجدیں شہید کردی گئیں اور حکومت نے اس کی تعمیر نو کرنے سے انکار کردیا، کیا فرقہ پرست عناصر سچائی کی نشاندھی کرنے والے اس آئینہ میں بھی اپنا چہرہ دیکھنا گوارہ کریں گے؟

اورنگ زیبؒ کے فرد جرم میں اس بات کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ اس نے ہندووں پر جزیہ لگادیا تھا؛ لیکن اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ اس نے ۸۰قسم کے ٹیکس معاف کردیئے، جن میں کئی ٹیکسوں کا تعلق ہندوو?ں سے تھا اور جزیہ ان پر اس لئے عائد کیا گیا کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی تھی، اگر ہندوو?ں سے بھی زکوٰۃ لی جاتی تو یہ ان کو ایک اسلامی عمل پر مجبور کرنا ہوتا، اور مذہبی آزادی کے تقاضے کے خلاف ہوتا، اس لئے اسلام نے غیرمسلم شہریوں پر الگ نام سے یہ ٹیکس مقرر کیا ہے اور اس کی مقدار نہایت قلیل ہے: فی کس بارہ درہم یعنی ۳۱? تولہ چاندی سے بھی کم، پھر شریعت کے حکم کے مطابق اورنگ زیبؒ نے عورتوں، بچوں، مذہبی پیشوا و?ں، معذروں اور غریبوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا اور جزیہ کے بدلہ غیرمسلم عوام کے تحفظ کی گارنٹی دی گئی۔

ان سب کے باوجود ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اورنگ زیبؒ کوئی عالم، مفتی اور صوفی نہ تھا ایک سیاسی قائد اور حکمراں تھا، بھائیوں کا قتل ہو یا بعض سکھ رہنماو?ں کا، مندروں کا انہدام ہو یا مسجدوں کا، یہ سیاسی مقاصد کے تحت تھے، یہ غلط ہوسکتے ہیں؛ لیکن اس کو مذہب کی جنگ قرار دینا اس سے زیادہ غلط ہے، اورنگ زیبؒ سے متعلق میڈیا میں جو بحث جاری ہے، وہ علم وتحقیق کے بجائے غلط فہمی اور جذبات پر مبنی ہے، جولوگ اس معاملہ کی سچائی کو جاننا چاہیں اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنا چاہیں، انھیں علامہ شبلی نعمانی کی ''اورنگ زیب عالمگیرؒ پر ایک نظر''، سید صباح الدین عبد الرحمٰن کی ''مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری'' (جلد سوم)، مولوی ذکاء اللہ کی ''اورنگ زیب عالمگیرؒ''، مولانا نجیب اشرف ندوی کی ''مقدمہ رقعات عالمگیر'' اور ڈاکٹر، بی، این پانڈے کی

’’ہندو مندر اور اورنگ زیب عالمگیر کے فرامین‘‘ کا مطالعہ کرنا چاہیئے؛ لیکن اس وقت ایک بڑا کام یہ ہے کہ کچھ حقیقت پسند، غیر جانبدار، انصاف پسند ہندو اور مسلمان اٹھیں اور سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر برطانیہ سے ہندوستان کی آزادی تک کی تاریخ اس طور پر لکھیں، جو فرقہ وارانہ تاثرات سے خالی ہو، جس میں ہر طبقہ کی خدمات کا اعتراف کیا جائے، جس میں بادشاہوں اور راجاو?ں کی جنگ کو ایک سیاسی جنگ کی نظر سے دیکھا جائے نہ کہ مذہبی جنگ کی حیثیت سے، جس میں ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری اور اُخوت و بھائی چارہ کو نمایاں کیا جائے، جو محبت کی خوشبو بکھیرے نہ کہ نفرت کا تعفن، یہ ایک ضروری کام ہے، جس کی طرف تحقیقاتی اکیڈمیوں، تعلیمی اداروں، ملی تنظیموں، قومی اداروں اور باصلاحیت اور منصف مزاج دانشوروں کو توجہ دینی چاہیئے، جیسے ہمارے ہندو بھائیوں کے مذہبی مآخذ میں کورو و?ں اور پانڈووں کی تباہ کن جنگوں کا ذکر موجود ہے، یا ’منوسمرتی‘ میں شودروں کے خلاف تحقیر و تذلیل کا واضح اور بھرپور تذکرہ ہے؛ لیکن ان کو نفرت کی تبلیغ کا ذریعہ نہیں بنایا گیا، اسی طرح ہم ہندو مسلم حکمرانوں کی آپسی لڑائیوں کو بھی نفرت کی اشاعت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

جب بندہ مؤمن وفات پاتا ہے تو وہ دنیا کے رنج سے بایں طور راحت پاتا ہے کہ دنیا میں اعمال و احوال کی وجہ سے وہ جس مشقت و محنت میں مبتلا تھا اس سے نجات مل جاتی ہے اور دنیا کی ایذاء سے بایں طور راحت پاتا ہے کہ وہ دنیاوی تکلیف و پریشانی مثلاً گرمی سردی، تنگدستی و مفلسی وغیرہ سے یا یہ کہ اہل دنیا کی ایذاء رسانی سے اسے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اسی لئے مسروق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مجھے کسی چیز پر بھی کسی چیز کے سبب اتنا رشک نہیں آتا جتنا رشک اس مؤمن پر آتا ہے جو قبر میں سلادیا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے عذاب سے مامون ہوجاتا ہے اور دنیا سے راحت وسکون پالیتا ہے۔

مالیگاؤں بم دھماکہ۔مظلوموں کے ساتھ ناانصافی

مالیگاؤں 2008 بم دھماکہ مقدمہ کا فیصلہ عوام کے سامنے آگیا ہے، خصوصی این آئی اے عدالت کے جج اے کے لاہوٹی نے ناکافی ثبوت وشواہد کی بنیاد پر تمام ملزمین کو مقدمہ سے بری کردیا ہے۔

میں یہاں بم دھماکہ متاثرین کی نمائندگی کرنے والے وکلاء کی ٹیم کے اہم رکن ہونے کی حیثیت سے جس نے ٹرائل کورٹ سے لیکر سپریم کورٹ تک اس مقدمہ کی پیروی کی ہے یہ بات نہایت ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ قومی تفتیشی ایجنسی نے مبینہ طور پر اس مقدمہ کا ستیاناس کیا ہے۔

دراصل، شہید ہیمنت کرکرے نے جو پختہ شواہد جمع کیے تھے اس کی قومی تفتیشی ایجنسی نے نہ تو حفاظت کی اور نہ ہی اسے ایمانداری سے عدالت کے سامنے پیش کیا؛ یعنی انسداد دہشت گرد دستہ (اے ٹی ایس) نے ملزمین سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر، رمیش اپادھیائے، سمیر کلکرنی، اجئے ایکناتھ رائیکر، کرنل پروہت، سدھارکر دھر دویدی اور سدھارکر اومکارناتھ چترویدی کے خلاف جو ثبوت اکٹھا کیے تھے انہیں اس طریقے سے ضائع کیا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

خصوصی جج اے کے لاہوٹی نے اپنے فیصلے میں پیراگراف نمبر 1532 / میں تحریر کیا ہے کہ استغاثہ نے عدالت کے سامنے اہم گواہوں کو پیش نہیں کیا۔ان گواہوں کی عدم پیشی کا عدالت نے یہ مطلب نکالا کہ استغاثہ نے عدالت سے انہیں چھپایا ہے۔عدالت کا یہ تبصرہ کافی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ٹرائل کے دوران بم دھماکہ کے متاثرین نے بھی این آئی اے سے عدالت میں بھروسے مند گواہان کو پیش کرنے کی گزارش کی تھی، لیکن اس پر بھی این آئی اے نے توجہ نہیں دی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ 29 ستمبر 2008 سے

لیکر 31 جولائی 2025 کے درمیان اس مقدمہ نیمتعد دنشیب وفراز کا مشاہدہ کیا۔ ریاست اور مرکز میں اقتدار کی تبدیلی کا اس مقدمہ پر سیدھا اثر پڑتا دکھائی دیا، اور یہ مقدمہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیے ووٹ بینک کا معاملہ بھی رہا۔ اس مقدمہ میں چار مختلف پولیس محکموں نے تفتیش کی، جس میں مالیگاؤں پولیس، ناشک پولیس، مہاراشٹر انسداد دہشت گرد دستہ اور قومی تفتیشی ایجنسی (این آئی اے) شامل ہے۔

قومی تفتیشی ایجنسی ایکٹ کی دفعہ 6 اور 8 کے تحت این آئی اے نے 1 مارچ 2011 کو یہ مقدمہ اے ٹی ایس سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایجنسی نے یہ مقدمہ از خود یعنی سوموٹو کے طور پر اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور پانچ سالوں تک اس کی تفتیش کی۔ یہ مقدمہ این آئی اے نے اے ٹی ایس سے اپنے ہاتھوں میں کیوں لیا؟ آج تک اس کی وجہ کسی کو بتائی نہیں گئی۔

سال 2016 میں این آئی اے نے خصوصی عدالت میں اضافی چارج شیٹ داخل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ اس مقدمہ سے سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کا کوئی لینا دینا نہیں ہے اور ناشک کے دیولالی کیمپ سے آر ڈی ایکس کی برآمدگی کا اے ٹی ایس نے جو دعویٰ کیا ہے وہ مشکوک ہے۔ این آئی اے کی جانب سے اضافی چارج شیٹ داخل کیے جانے کے بعد یہ واضح ہوگیا تھا کہ یہ مقدمہ کس سمت جارہا ہے، لیکن بم دھماکہ متاثرین نے جمعیۃ علماء مہاراشٹر قانونی امداد کمیٹی کے توسط سے عدالت میں بطور مداخلت کار پیش ہونے کی گزارش کی جسے عدالت نے منظور کرلیا، حالانکہ ملزمین نے اس کی مخالفت کی تھی۔

سال 2016 سے پہلے بم دھماکہ متاثرین نے اس مقدمہ میں کبھی مداخلت نہیں کی، کیونکہ اس وقت تک مقدمہ صحیح سمت میں جارہا تھا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ دھماکہ کے ان ملزمین نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے یہ مقدمہ آٹھ سالوں تک چلنے نہیں دیا۔ مہاراشٹر اے ٹی ایس کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں الجھا کر رکھا۔ حالانکہ ان آٹھ سالوں میں انہوں نے جیل

کی صعوبتیں برداشت کی ہوں گی، لیکن انہیں اقتدار کی تبدیلی کا بہت بڑا فائدہ ملا اور یہ فائدہ ایسا ملا کہ آج ہم انہیں مقدمہ سے بری ملزم لکھنے پر مجبور ہیں، یہ اور واقعہ ہے کہ ہم نے یہ سارا کھیل اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے دیکھا۔

دراصل، انڈین کریمنل جسٹس سسٹم میں متاثرین کے لیے وہ حقوق نہیں ہیں جو ویسٹرن اور امریکن جسٹس سسٹم میں ہیں۔ بم دھماکہ متاثرین نے ٹرائل کورٹ سے لیکر سپریم کورٹ تک ملزمین کا پیچھا کیا اور انہیں مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی مقدمہ سے ڈسچارج ہونے کی ان کی کوششوں کو ناکام بنایا اور انہیں 17 سالوں تک مقدمہ کا سامنا کرنے پر مجبور کیا۔

بم دھماکہ ملزمین اثر ورسوخ کی وجہ سے خصوصی این آئی اے عدالت کے معمولی سے معمولی آرڈر کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا کرتے تھے، بم دھماکہ متاثرین انصاف کی امید میں مقدمہ کی پیروی کرتے رہے۔ اس مقدمہ میں جمعیۃ علماء قانونی امداد کمیٹی نے ایک جانب جہاں متاثرین کی ہر طرح سے مدد کی، وہیں حقوق انسانی کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے مشہور سینئر ایڈوکیٹ بی اے دیسائی نے ہائی کورٹ اور ٹرائل کورٹ کی سینکڑوں سماعتوں میں پیش ہوئے اور ایک پیسہ بھی فیس نہیں لی حالانکہ ان کی یومیہ سماعت کی فیس لاکھوں میں ہوتی ہے۔ سینئر ایڈوکیٹ کی معاونت ایڈوکیٹ شریف شیخ، ایڈوکیٹ عبدالوہاب خان، ایڈوکیٹ عبدالمتین شیخ، ایڈوکیٹ انصار تنبولی، ایڈوکیٹ ہیتالی سیٹھ، ایڈوکیٹ کریتیکا اگروال نے ودیگر نے کی۔

این آئی اے کی جانب سے اضافی چارج شیٹ داخل کیے جانے کے بعد اس وقت کی ایماندار اور نڈر خاتون وکیل استغاثہ روہنی سالیان پر این آئی اے نے دباؤ بنایا کہ وہ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کو مقدمہ سے ڈسچارج ہو جانے دیں کیونکہ سادھوی کے خلاف ثبوت کو مٹانے کے بعد دیگر ملزمین کی رہائی کا راستہ صاف ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن روہنی سالیان نے این آئی اے کے سامنے جھکنے سے منع کر دیا۔

صرف چارج شیٹ کی بنیاد پر کسی بھی ملزم کو سزا نہیں دی جاسکتی، اور جب تک یہ چارج شیٹ عدالت میں گواہوں کی زبانی گواہی کے ذریعے ثابت نہ ہوجائے، ملزمین کو سزا م ملنا ممکن نہیں۔اس مقدمہ میں اے ٹی ایس نے ملزمین کے خلاف اسٹرانگ مٹیریل جمع کیے تھے،لیکن این آئی اے ان مٹیریل کو عدالت میں ثابت کرنے میں ناکام ثابت ہوا، کیونکہ اس مقدمہ کے انتہائی اہم گواہان منحرف ہوگئے۔

چوں کہ اس مقدمہ میں ڈائرکٹ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان ڈائرکٹ ثبوتوں یعنی سازشی میٹنگوں میں موجود گواہان کے بیانات کی بنیاد پر یہ مقدمہ ٹکا ہوا تھا،لیکن دوران گواہی عدالت میں ان میٹنگوں میں موجود تمام گواہان اپنے بیانات سے منحرف ہوگئے۔رائے گڑھ قلعہ، ایس پی کالج پونے، بی ایم سی سی کالج پونے میں مختلف تاریخوں پر ہونے والی میٹنگ میں ملند جوشی راؤ،شریش داتے، امول دالے،ملند ناتو،نناد بیڈیکر موجود تھے، ان کے بیانات کا اندراج اے ٹی ایس نے کیا تھا۔

دیولالی ناشک میں ہوئی میٹنگ میں نناد بڈیکر،امود دامولے،سومناتھ گنجل، رمیش سروے، یشپا بھڑانا، بھائی دلوی، بی ایل شرما، یہ سب گواہان بھی دوران گواہی عدالت میں اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوگئے۔فرید آباد میٹنگ میں آر پی سنگھ،کرنل بی دھار، چیتن ڈھاکن، یشپال بھڑانا، بی ایلشر ماموجود تھے،لیکن انہوں نے بھی عدالت میں ملزمین کے خلاف گواہی دینے کے ان کے حق میں گواہی دی۔

بھوپال اور کولکاتہ میٹنگ میں ہیمانی ساورکر، تپن گھوس، کرنل بی دھر موجود تھے،لیکن یہ بھی عدالت میں اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوگئے۔جبل پور میٹنگ میں ہیمانی ساورکر، مریم جیسوانی، کرنل دھار، پرساد دیوستھلی ،اشوک کمار چاؤلہ موجود تھے،لیکن عدالت میں یہ بھی اپنے سابقہ بیان سے مکر گئے۔اندور میٹنگ میں پردیپ مکھرجی، گورو شرما، کاشی ناتھ کنہا لال بنرجی، وسنت دیوکر نے اپنے بیانات سے انحراف کیا۔

ناشک اور پنچ مڑھی میٹنگوں میں موجود کرنل شیلیس

رائیکر،کیپٹن نتن جوشی، سنجیت پینڈ ھالکر،ہیمانی ساورکر، باپ ادتیہ دھر،راجن گائیدھانی، کیپٹن نتن جوشی موجود تھے جن کے بیانات کا اندراج اے ٹی ایس نے کیا تھا،لیکن دوران گواہی عدالت میں وہ بھی اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوگئے۔اجین میٹنگ میں مہندر بھٹنا گر، سنیل واردے،سچن سونی موجود تھے جبکہ بھگور کیمپ میں ملند جوشی راؤ نے حصہ لیا تھا،لیکن ان تمام لوگوں نے عدالت میں جھوٹ نہ بولنے کی قسم کھاتے ہوئے جھوٹ بولا اور یکے بعد دیگرے اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوتے رہے اور بجائے ان پر تادیبی کارروائی کرنے کے این آئی اے نے بم دھماکہ متاثرین کے وکلاء کی ہی شکایت کی کہ وہ ان کے کام میں خلل پیدا کر رہے ہیں۔

اصل میں جس وقت یہ انتہائی اہم گواہ جو مقدمہ کی بنیاد تھے عدالت میں جھوٹ بول رہے تھے بم دھماکہ متاثرین کے وکلاء اس کی عدالت سے زبانی جوڈیشیل نوٹ کرنے اور این آئی اے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس سے تحریری شکایت کر رہے تھے۔سازشی میٹنگوں میں متذکرہ گواہوں کے ساتھ ملزمین بھی موجود رہتے تھے۔سازشی میٹنگوں کے گواہان کے منحرف ہونے سے سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر پر عائد الزام کہ اس نے میٹنگ میں یہ بات کہی تھی کہ بم دھماکہ کرنے کے لیے وہ اپنی بائیک اور آدمی مہیا کرائے گی ثابت نہیں ہوسکا۔ملزم سدھاکر دویدی نے ان سازشی میٹنگوں کی تفصیلات اپنے لیپ ٹاپ میں جمع کی تھی، لیکن عدالت نے تکنیکی بنیادوں پر کسی بھی الیکٹرانک ثبوتوں کو قبول نہیں کیا۔

سی آر پی سی کی دفعہ 164 کے تحت مجسٹریٹ کے روبرو بیان دینے والے چھ گواہ اپنے بیانات سے منحرف ہوئے ان کے خلاف بھی این آئی اے نے کوئی مقدمہ درج نہیں کیا۔ان گواہان کے منحرف ہونے کے بعد ان کے خلاف مقدمہ قائم کرنے کی بم دھماکہ متاثرین نے این آئی اے سے گزارش کی تھی جسے اس نے نظر انداز کردیا۔اس مقدمہ کو بہت منظّم طریقے سے کمزور کیا گیا جیسے عدالتی تحویل سے انتہائی اہم 13

دستاویزات پراسرار طریقے سے غائب ہو گئے، جو آج تک نہیں ملے، یہ دستاویزات سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کے اس مقدمہ میں ملوث ہونے کے اہم ثبوت تھے۔

این آئی اے نے ان گمشدہ دستاویزات کے تعلق سے کوئی تفتیش نہیں کی، کوئی ایف آئی آر درج نہیں کرائی گئی، این آئی اے عدالت نے اپنے فیصلے کے پیراگراف نمبر 735 میں اس کا ذکر کیا ہے۔ان 13 بیانات میں سے 8 بیانات دینے والے گواہان کو بلایا گیا جو اپنے بیانات سے منحرف ہوئے، عدالت نے اپنے فیصلے میں تبصرہ کیا کہ استغاثہ نے ان گواہان کو دوران گواہی ان کے بیانات بتائے نہیں اور نہ ہی ان بیانات کو درج کرنے والے مجسٹریٹ کو گواہی کے لیے طلب کیا۔

تاہم، 28 اگست 2023 کو بم دھماکہ متاثرین نے این آئی اے کو خط لکھ کر مجسٹریٹ کو بطور گواہ عدالت میں طلب کرنے کی گزارش کی تھی جسے این آئی اے نے قبول نہیں کیا۔ملزمین کے لیپ ٹاپ سے ڈاؤن لوڈ کی گئی سازشی میٹنگ کی تفصیلات جس سی ڈی میں محفوظ کی گئی تھی وہ سی ڈی عدالتی ریکارڈ میں ہونے کے باوجود کیسے ٹوٹی؟ اگر اس سی ڈی میں کچھ نہیں تھا تو پھر ملزمین کو دی گئی سی ڈی ملزمین نے عدالت میں کیوں نہیں پیش کی؟ بم دھماکہ متاثرین نے اس تعلق سے سپریم کورٹ تک کوشش کی، لیکن این آئی اے کی عدم دلچسپی کی وجہ سے انہیں مایوسی ہاتھ لگی۔

عدالت نے اپنے فیصلے کے پیراگراف نمبر 808 میں اس کا ذکر کیا ہے کہ الیکٹرانک ریکارڈ عدالت میں ثابت کرنے کے لیے قانون شہادت کی دفعہ 65بی کے تحت سرٹیفیکیٹ کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے جسے عدالت میں استغاثہ نے پیش نہیں کیا اسی وجہ سے عدالت نے الیکٹرانک ثبوتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔عدالت نے اپنے فیصلے میں مزید کہا کہ 65بی سرٹیفیکیٹ استغاثہ دوران ٹرائل کسی بھی وقت عدالت میں داخل کر سکتا تھا، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا یعنی کہ استغاثہ کی کوتاہیوں کی وجہ سے انتہائی اہم الیکٹرانک شواہد ضائع ہو گئے۔

خصوصی عدالت کے جج نے پولیس اہلکاروں کی گواہیوں کو سرے سے خارج کردیا جبکہ انہیں دہشت گردی جیسے سنگین معاملے میں پولیس اہلکاروں کی گواہیوں کو بھی اہمیت دینی چاہیے تھی۔منحرف گواہان کے بیانات کو عدالت نے ملزمین کے حق میں قرار دیا، جبکہ ایسے سنگین معاملات میں منحرف گواہان کے بیانات کو تفتیشی کے افسران کے بیانات کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

عدالت کو تفتیش میں ہوئی تکنیکی خامیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے تھا، لیکن اس نے ان تکنیکی خامیوں کا سیدھا فائدہ ملزمین کو دیا، استغاثہ کی نرمی کا فائدہ عدالت نے ملزمین کو دیا جبکہ اسے متاثرین کے ساتھ انصاف ہو اس تعلق سے بھی سوچنا چاہیے تھا۔اے ٹی ایس سے تفتیش اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد این آئی اے کے افسر اروند نیگی نے بھی اس مقدمہ کی کچھ دنوں تک تفتیش کی تھی اور انہوں نے ملزمین کے خلاف ثبوت اکٹھا کیے تھے، لیکن انہیں چارج شٹ داخل نہیں کرنے دیا گیا، کس کے دباؤ میں اروند نیگی کو اپنی ذمہ داریوں سے ہٹایا گیا یہ سوال آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔

این آئی اے کی اضافی چارج شیٹ داخل کیے جانے اور ایڈوکیٹ روہنی سالیان کے بیان کے بعد بم دھماکہ متاثرین نے سپریم کورٹ میں پٹیشن داخل کرکے اس مقدمہ کی خصوصی تفتیشی ٹیم (ایس آئی ٹی) سے آزادانہ تفتیش کیے جانے کی گزارش کی تھی جس پر یونین آف انڈیا نے اتفاق نہیں کیا تھا۔

یونین آف انڈیا نے سپریم کورٹ میں برسوں ایس آئی ٹی کے حق میں اپنا جواب داخل نہیں کیا، تقریباً آٹھ سالوں تک مقدمہ کو سپریم کورٹ میں لٹکائے رکھا۔اے ٹی ایس کی جانب سے کی جانے والی خامیوں پر بھی گفتگو ہونی چاہیے، این آئی اے کے پاس قانونی طور پر یہ حق تھا کہ وہ ان خامیوں کو دور کرتی، این آئی اے اگر واقعی ملزمین کو سزا دلانے میں سنجیدہ ہوتی تو وہ پانچ سالوں میں اے ٹی ایس کی خامیوں کو دور کرلیتی ،لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

سال 2018 میں خصوصی این آئی اے عدالت

کے جج ونود پڈالکر نے ملزمین کی شدید مزاحمت اور مخالفت کے باوجود چارج فریم کیے جانے کا حکم جاری کیا۔جس دن تمام ملزمین کے خلاف الزامات عائد کیے جانے تھے یعنی چارج فریم کیا جانا تھا۔عدالت نے ملزمین کو صبح گیارہ بجے کمرہ عدالت میں موجود رہنے کی ہدایت دی تھی، یکے بعد دیگرے ملزمین عدالت میں اپنے وکلاء کے ساتھ پہنچ گئے تھے،لیکن ایک ملزم کو عدالت میں پہنچنے میں تاخیر ہورہی تھی یا وہ جان بوجھ کر تاخیر کررہا تھا،جج ونود پڈالکر نے اپنے اسٹاف کو حکم دیا کہ وہ ان کی کار لے جائے وی ٹی (سی ایس ٹی) اسٹیشن پر اور ملزم کو اس میں بٹھا کر فوراً عدالت لیکر آئے، عدالت آج چارج فریم کرکے رہے گی کیونکہ سپریم کورٹ نے مقدمہ کی سماعت شروع کیے جانے کا حکم دیا ہے۔

ملزمین چاہتے ہی نہیں تھے کہ ان کے خلاف چارج فریم کیا جائے اور انہیں ٹرائل کا سامنا کرنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ تمام ملزمین ضمانت پر رہا ہوچکے تھے۔دراصل ملزمین چاہتے تھے کہ جس طرح مالیگاؤں 2006 مقدمہ میں ماخوذ کیے گئے بے قصور مسلم نوجوانوں کو مقدمہ کا سامنا کیے بغیر مقدمہ سے ڈسچارج کردیا گیا تھا،انہیں بھی اسی طرح کی راحت دی جائے۔

عدالت کی جانب سے چارج فریم کیے جانے کے باوجود ملزمین نے مقدمہ کو پٹری سے اتارنے کی بہت کوشش کی،جس میں سب سے اہم یہ تھا کہ ملزم سدھارکر دھردویدی نے دھماکہ میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے میڈیکل سرٹیفیکٹ کو قبول کرنے سے انکارکردیا۔

سدھارکر دویدی نے عدالت کو کہا کہ وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ 29 ستمبر 2008 کو مالیگاؤں میں بم دھماکہ ہوا تھا۔ملزم کے اس انکار کے بعد 101 زخمیوں نے مالیگاؤں سے ممبئی کا سفر کرکے خصوصی عدالت میں اپنے زخم دکھائے، گواہی دیتے ہوئے کئی زخمیوں کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہتے ہوئے بھی ہم نے دیکھا۔29 ستمبر کا واقعہ یاد کرکے یہ بے چارے لوگ رونے بلکنے لگ جاتے تھے۔مالیگاؤں سے ممبئی آکر گواہی دینے کا

ان زخمیوں کو سرکار کی جانب سے محض دو ڈھائی سو روپیہ ملتا تھا۔ بھلا ہو جمعیۃ علماء مہاراشٹر کا جس نے ان مظلوموں کی مدد کی اور آمد و رفت اور ان کے قیام وطعام کا بندوبست کیا۔

مقامی جمعیۃ علماء کے احباب نے ان کی رہنمائی کی، کئی مہینوں تک ان زخمیوں کے ساتھ سفر کیا اس امید کے ساتھ کہ انہیں انصاف ملے گا۔ زخمیوں کے علاوہ بھی مالیگاؤں سے ڈاکٹر سعید فارانی، ڈاکٹر سعید فیضی وغیرہ نے خصوصی این آئی اے عدالت میں گواہی دی۔

نچلی عدالت سے لیکر سپریم کورٹ آف انڈیا نے بم دھماکہ متاثرین کو ہر موڑ پر اس مقدمہ میں مداخلت کرنے کی اجازت دی۔ یہی وجہ تھی کہ ملزمین کو نہ چاہتے ہوئے بھی مقدمہ کا سامنا کرنا پڑا اور اب مقدمہ سے رہا ہونے کے بعد بھی انہیں ہائی کورٹ میں مقدمہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ این آئی اے اپیل داخل کرے یا نہ کرے بم دھماکہ متاثرین آزادانہ طور پر اپیل داخل کرنے کے مجاز ہیں اور ان سب باتوں کو ہائی کورٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا، جن کی وجہ سے انہیں مقدمہ سے رہائی ملی۔ مقدمہ سے بری ہو جانے کے بعد فی الحال ملزمین کے دوبارہ واپس جیل جانے کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

ملزمین نے ایک جانب جہاں بم دھماکہ ہوا اسے ماننے سے انکار کیا وہیں کچھ ملزمین نے اسے اسٹوڈنٹس اسلام مومنٹ آف انڈیا (سمی) سے جوڑنے کی کوشش کی اور کہا کہ جس جگہ بم دھماکہ ہوا تھا اس جگہ سیمی کا دفتر ہے۔ لہذا بم دھماکہ سیمی سے جڑے ہوئے لوگوں (مسلمانوں) نے کیا ہے، لیکن خصوصی این آئی اے عدالت نے ملزمین کے اس دعوے کو خارج کر دیا۔ این آئی اے عدالت نے اپنے فیصلے کے پیراگراف نمبر 119 میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بم دھماکوں میں مسلمان ہی ہلاک اور زخمی ہوئے اور اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہی عائد کرنے کی گھناؤنی کوشش کی گئی، نچلی عدالت کے فیصلے کے بعد فرقہ پرستوں کا سڑکوں پر جشن منانا اور ریاست کے چیف منسٹر

اور دیگر اعلیٰ عہدیداران کا فیصلے کا خیر مقدم کرنا متاثرین کے زخموں پر نمک پاشی ہے۔

مالیگاؤں 2008 بم دھماکہ مقدمہ یہ ملک کا ایسا پہلا مقدمہ نہیں، جس میں این آئی اے کو اپنی بے ایمانی کی وجہ سے شکست ہوئی۔ اور کیا یہ اتفاق ہے کہ این آئی اے کو ایسے بیشتر مقدمات میں ہار کا سامنا کرنا پڑا ہے، جس میں ملزمین ہندو تھے اور بم دھماکوں میں ہلاک اور زخمی ہونے والے مسلمان تھے؟ مثلاً مکہ مسجد بم دھماکہ مقدمہ، سمجھوتہ ایکسپریس بم دھماکہ، جالنہ پورنا مسجد بم دھماکہ و دیگر شامل ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ مہاراشٹر اے ٹی ایس کے ذریعے 2008 کے مالیگاؤں دھماکوں کی تحقیقات کے دوران' بھگوا آتنکواد' کی اصطلاح قومی سطح پر بحث کا موضوع بن گئی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اے ٹی ایس کی ابتدائی تحقیقات میں کچھ ہندوتوا تنظیموں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ جیسے جیسے تفتیش آگے بڑھی، اے ٹی ایس کو ایسے سراغ ملنا شروع ہوئے جس میں ہندوتوا تنظیموں سے وابستہ کارکنوں کے نام سامنے آئے۔ اس کے ساتھ ہی' بھگوا آتنکواد' کا ایشو سیاسی اور نظریاتی بحث کا مرکز بن گیا۔

حکومت کا دوہرا رویہ؟ مالیگاؤں دھماکہ کیس میں بی جے پی حکومت ابھی تک اپیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، لیکن یہ اس طرح کا پہلا معاملہ نہیں ہے۔ سال 2007 میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چلنے والی سمجھوتہ ایکسپریس ٹرین میں دھماکہ ہوا تھا، جس میں 68 افراد جان کی بازی ہار گئے تھے۔ اس بم دھماکہ کیس میں سوامی اسیمانند سمیت کئی لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ لیکن 2019 میں شواہد کے فقدان میں عدالت نے اسیمانند سمیت چاروں ملزمان کو بری کر دیا۔ اور مالیگاؤں بم دھماکہ کیس کی طرح اس معاملے میں بھی مرکزی حکومت نے فیصلہ کو اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد دھماکہ کیس میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ 18 مئی 2007 (جمعہ) کو مکہ مسجد کے احاطے میں ایک امپرووائزڈ ایکسپلوسیو ڈیوائس (آئی ای ڈی) کا

استعمال کیا گیا، جس میں 9 افراد ہلاک اور کئی درجن افراد زخمی ہوئے تھے۔ اسیمانند اور 11 دیگر کو اس معاملے میں ملزم بنایا گیا تھا۔ لیکن مالیگاؤں دھماکے اور سمجھوتہ ایکسپریس دھماکے کی طرح، اپریل 2018 میں، این آئی اے کی خصوصی عدالت نے نامزد ملزمان (دیویندر گپتا، لوکیش شرما، بھارت موہن لال ریتیشور، راجندر چودھری اور نبا کمار سرکار عرف سوامی اسیمانند) کو بری کر دیا۔ این آئی اے نے اس فیصلے کو کسی اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا۔

تاہم، تمام معاملات میں بی جے پی حکومت کا رویہ ایسا نہیں ہے۔ مالیگاؤں بم دھماکہ کیس کے فیصلے سے صرف 10 دن پہلے 21 جولائی 2025 کو بامبے ہائی کورٹ نے 2006 کے ممبئی سیریل ٹرین بلاسٹ کیس میں تمام 12 ملزمین کو بری کر دیا تھا۔ 72 گھنٹوں کے اندر (23 جولائی)، مہاراشٹر حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کا رخ کیا، اور سپریم کورٹ نے بامبے ہائی کورٹ کے فیصلے پر روک لگا دی۔

واضح ہو کہ اس کیس میں بری ہونے والے تمام ملزمان مسلمان تھے۔ دوسری طرف مالیگاؤں دھماکہ، سمجھوتہ ایکسپریس دھماکہ اور مکہ مسجد دھماکہ کیس کے تمام ملزمان نہ صرف ہندو تھے بلکہ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق انتہا پسند ہندو تنظیموں سے تھا۔

مالیگاؤں دھماکے کے ملزمان کو کیوں بری کیا گیا؟

مالیگاؤں دھماکہ کیس میں سادھوی پرگیہ اور کرنل پروہت کے ساتھ ہی ریٹائرڈ میجر رمیش اپادھیائے، اجے راہرکر، سدھاکر چترویدی، سمیر کلکرنی اور سدھاکر دویدی کو بھی تمام الزامات سے بری کرتے ہوئے خصوصی جج اے کے لاہوٹی نے کہا کہ 'استغاثہ فیصلہ ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہا'۔ استغاثہ تحقیقاتی ایجنسی این آئی اے کی جانب سے پیش ہونے والے سرکاری وکیل تھے۔ جسٹس اے کے لاہوٹی نے انڈین پینل کوڈ (آئی پی سی) کی دفعہ 120-بی، 153-اے، 302، 307، 326، 324، 427؛ غیر قانونی سرگرمیاں (روک تھام) ایکٹ، 1967 کی دفعہ 16 اور 18؛ اور دھماکہ خیز مواد ایکٹ، 1908 کی دفعہ 3، 4، 5 اور 6 کے تحت تمام الزامات سے ملزم کو بری کر دیا۔ بار اینڈ بنچ

کے مطابق عدالت نے کہا؛' ریکارڈ پر دستیاب تمام شواہد کی مکمل جانچ کے بعد، یہ میری واضح رائے ہے کہ استغاثہ قابل اعتماد، ٹھوس اور قانونی طور پر درست ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ استغاثہ کے گواہوں کی گواہی میں سنگین تضادات اور خامیاں ہیں۔ اس طرح کے تضادات استغاثہ کی ساکھ کو کمزور کرتے ہیں اور ملزم کو شک سے بالاتر قصوروار ثابت نہیں کر پاتے۔'

مالیگاؤں بلاسٹ: حکومت، این آئی اے اور تاریخیں

سال 2008 میں جب یہ دھماکہ ہوا تھا تو مرکز میں یو پی اے کی حکومت تھی اور مہاراشٹر میں کانگریس-این سی پی کی مخلوط حکومت تھی۔ ریاستی حکومت نے جانچ کی کمان انسداد دہشت گردی اسکواڈ (اے ٹی ایس) کو سونپ دی۔ 20 جنوری 2009 کو 14 لوگوں کے خلاف دائر اپنی آخری چارج شیٹ میں اے ٹی ایس نے دیگر دفعات کے ساتھ' مکوکا' بھی لگایا تھا۔ مکوکا (مہاراشٹرا کنٹرول آف آرگنائزڈ کرائم ایکٹ) 1999 منظّم جرائم اور انڈرورلڈ کو کنٹرول کرنے کے لیے بنایا گیا ایک سخت قانون ہے۔ اس کے تحت پولیس کو خصوصی اختیارات ملتے ہیں جیسے ملزم کو بغیر الزام طے کیے 180 دن تک حراست میں رکھنا اور ملزم کو ضمانت نہ دینا۔ اس کے تحت پولیس کی طرف سے ریکارڈ کرائے گئے بیان کو بھی (کچھ شرائط کے ساتھ) عدالت میں ثبوت کے طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ سال 2011 میں کیس کو این آئی اے کے حوالے کرنے سے پہلے اے ٹی ایس نے دو چارج شیٹ داخل کی تھی۔ پھر سال 2014 آیا۔ مرکز اور ریاست میں اقتدار کی تبدیلی ہوئی۔ مرکز کی کمان نریندر مودی کی قیادت میں بی جے پی کی قیادت والی این ڈی اے کے پاس چلی گئی اور ریاست میں شیوسینا-بی جے پی کی حکومت بنی۔ چند ماہ بعد، 2015 میں، انڈین ایکسپریس نے سرکاری وکیل روہنی سالیان کا ایک سنسنی خیز انٹرویو شائع کیا، جس میں انہوں نے دعویٰ کیا؛' پچھلے سال مجھے این آئی اے کے ایک افسر کا فون آیا، انہوں نے کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ فون پر بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جب وہ مجھ سے ملے تو انہوں نے کہا کہ اوپر سے ایک پیغام آیا ہے کہ مجھے نرم رویہ اپنانا چاہیے۔' سالیان کے ان الفاظ کا مطلب یہ لیا گیا کہ حکومت نے این آئی اے کے ذریعے ان سے ملزمین کے تئیں نرم رویہ اپنانے کی گزارش کی۔

SADA-E-SHUJAIYA

Urdu Monthly Magazine, Hyderabad

RNI : TELURD/2019/77738

Rs. 20/-

Editor, Printer & Owned by Syed Mohammed Ibrahim Hussaini
Printed At : Aijaz Printing Press, Diwan Dewdi, Chatta Bazar, Hyd-500002, T.S.
Published at : H.No. 22-5-918/15/A, Charminar, Hyderabad - 500002, Telangana

www.shujaiya.com | 040-66171244